خطبات

۵

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

فہرست

حج

جہاد

○○

حج

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبات میں نماز روزہ اور زکوٰۃ کے متعلق آپ کو تفصیل کے ساتھ بتایا جاچکا ہے کہ یہ عبادتیں انسان کی زندگی کس طرح اسلام کے سانچے میں ڈھالتی اور اس کو اللہ کی بندگی کے لیے تیار کرتی ہیں۔ اب اسلام کی فرض عبادتوں میں سے صرف حج باقی ہے، جس کے فائدے مجھے آپ کے سامنے بیان کرنے ہیں۔

حج کے معنی

حج کے معنی عربی زبان میں زیارت کا قصد کرنے کے ہیں۔ حج میں چونکہ ہر طرف سے لوگ کعبے کی زیارت کا قصد کرتے ہیں، اس لیے اس کا نام حج رکھا گیا۔

حج کی ابتدا

سب سے پہلے اس کی ابتدا جس طرح ہوئی اس کا قصہ بڑا سبق آموز ہے۔ اس قصے کو غور سے سُنیے تاکہ حج کی حقیقت اچھی طرح آپ کے ذہن نشین ہو جائے۔ پھر اس کے فائدوں کا سمجھنا آپ کے لیے آسان ہو گا۔

حضرت ابراہیمؑ کے زمانے میں حالات

کون مسلمان، عیسائی یا یہودی ایسا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کے نام سے واقف نہ ہو؟ دنیا کی دو تہائی سے زیادہ آبادی اُن کو پیشوا مانتی ہے۔ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت محمد ﷺ، تینوں انھی کی اولاد سے ہیں۔ انھی کی روشن کی ہوئی شمع سے دنیا بھر میں ہدایت کا نور

پھیلا ہے۔ چار ہزار برس سے زیادہ مدّت گزری جب وہ عراق کی سرزمین میں پیدا ہوئے تھے۔ اُس وقت ساری دُنیا خدا کو بھولی ہوئی تھی۔ روئے زمین پر کوئی ایسا انسان نہ تھا جو اپنے اصلی مالک کو پہچانتا ہو، اور صرف اُسی کے آگے اطاعت و بندگی میں سر جھکاتا ہو۔ جس قوم میں اُنھوں نے آنکھیں کھولی تھیں وہ اگرچہ اُس زمانے میں دنیا کی سب سے زیادہ ترقی یافتہ قوم تھی، لیکن گمراہی میں بھی وہی سب سے آگے تھی۔ علوم وفنون اور صنعت وحرفت میں ترقی کر لینے کے باوجود اُن لوگوں کو اتنی ذرا سی بات نہ سُوجھتی تھی کہ مخلوق کبھی معبود ہونے کا اہل نہیں ہوسکتا۔ ان کے ہاں ستاروں اور بُتوں کی پرستش ہوتی تھی۔ نجوم، فال گیری، غیب گوئی، جادُو ٹونے اور تعویذ گنڈے کا خوب چرچا تھا۔ جیسے آج کل ہندوؤں میں پنڈت اور برہمن ہیں اسی طرح اُس زمانے میں بھی پُجاریوں کا ایک طبقہ تھا جو مندروں کی محافظت بھی کرتا، لوگوں کو پُوجا بھی کراتا، شادی اور غمی وغیرہ کی رسمیں بھی ادا کرتا، اور غیب کی خبریں بھی لوگوں کو بتانے کا ڈھونگ رچاتا تھا۔ عام لوگ ان کے پھندے میں ایسے پھنسے ہوئے تھے کہ انہی کو اپنی اچھی اور بُری قسمت کا مالک سمجھتے تھے، انہی کے اشاروں پر چلتے تھے اور بے چون وچرا ان کی خواہشات کی بندگی کرتے تھے۔ کیوں کہ اُن کا گمان تھا کہ دیوتاؤں کے ہاں اُن پُجاریوں کی پہنچ ہے۔ یہ چاہیں تو ہم پر دیوتاؤں کی عنایت ہوگی، ورنہ ہم تباہ ہو جائیں گے۔ پُجاریوں کے اس گروہ کے ساتھ بادشاہوں کی ملی بھگت تھی۔ عام لوگوں کو اپنا بندہ بنا کر رکھنے میں بادشاہ پُجاریوں کے مددگار تھے اور پُجاری بادشاہوں کے۔ ایک طرف حکومت ان پجاریوں کی پشت پناہی کرتی تھی اور دوسری طرف یہ پُجاری لوگوں کے عقیدے میں یہ بات بٹھاتے تھے کہ بادشاہِ وقت بھی خداؤں میں سے ایک خدا ہے، ملک اور رعیّت کا مالک ہے، اس کی زبان قانون ہے اور اس کو رعایا کی جان و مال پر ہر قسم کے اختیارات حاصل ہیں، اتنا ہی نہیں بلکہ بادشاہوں کے آگے پورے بندگی کے مراسم بجالائے جاتے تھے، تاکہ رعایا کے دل ودماغ پر ان کی خدائی کا خیال مسلط ہو جائے۔

حضرت ابراہیمؑ کا گھرانا

ایسے زمانے اور ایسی قوم میں حضرت ابراہیمؑ پیدا ہوئے اور لطف یہ ہے کہ جس گھرانے میں پیدا ہوئے وہ خود پُجاریوں کا گھرانا تھا۔ ان کے باپ دادا اپنی قوم کے پنڈت اور

برہمن تھے۔ اس گھر میں وہی تعلیم اور وہی تربیت ان کو مل سکتی تھی جو ایک پنڈت زادے کو ملا کرتی ہے۔ اسی قسم کی باتیں بچپن سے کانوں میں پڑتی تھیں۔ وہی پیروں اور پیرزادوں کے رنگ ڈھنگ اپنے بھائی بندوں اور برادری کے لوگوں میں دیکھتے تھے۔ وہی مندر کی گدی ان کے لیے تیار تھی، جس پر بیٹھ کر وہ اپنی قوم کے پیشوا بن سکتے تھے۔ وہی نذر و نیاز اور چڑھاوے جن سے ان کا خاندان مالا مال ہو رہا تھا اُن کے لیے بھی حاضر تھے، اُسی طرح لوگ اُن کے سامنے بھی ہاتھ جوڑنے اور عقیدت سے سر جھکانے کے لیے موجود تھے۔ اسی طرح دیوتاؤں سے رشتہ ملا کر اور غیب گوئی کا ڈھونگ رچا کر وہ ادنیٰ کسان سے لے کر بادشاہ تک ہر ایک کو اپنی پیری کے پھندے میں پھانس سکتے تھے۔ اس اندھیرے میں جہاں کوئی ایک آدمی بھی حق کو جاننے اور ماننے والا موجود نہ تھا، نہ تو اُن کو حق کی روشنی ہی کہیں سے مل سکتی تھی اور نہ کسی معمولی انسان کے بس کا یہ کام تھا کہ اس قدر زبردست ذاتی اور خاندانی فائدوں کو لات مار کر محض سچائی کے پیچھے دنیا بھر کی مصیبتیں مول لینے پر آمادہ ہو جاتا۔

حضرت ابراہیمؑ کا اعلانِ برأت

مگر حضرت ابراہیمؑ کوئی معمولی آدمی نہ تھے۔ کسی اور ہی مٹی سے ان کا خمیر بنا تھا۔ ہوش سنبھالتے ہی انھوں نے سوچنا شروع کر دیا کہ یہ سورج، چاند اور تارے جو خود غلاموں کی طرح گردش کر رہے ہیں، اور یہ پتھر کے بُت جن کو آدمی خود اپنے ہاتھ سے بناتا ہے اور یہ بادشاہ جو ہم ہی جیسے انسان ہیں، آخر یہ خدا کیسے ہو سکتے ہیں؟ جو بچارے خود اپنے اختیار سے جنبش نہیں کر سکتے، جن میں آپ اپنی مدد کرنے کی قدرت نہیں، جو اپنی موت اور زیست کے بھی مختار نہیں، ان کے پاس کیا دھرا ہے کہ انسان ان کے آگے عبادت میں سر جھکائے، اُن سے اپنی حاجتیں مانگے، اُن کی طاقت سے خوف کھائے اور اُن کی خدمت گاری و فرمانبرداری کرے۔ زمین اور آسمان کی جتنی چیزیں ہمیں نظر آتی ہیں، یا جن سے کسی طور پر ہم واقف ہیں ان میں سے تو کوئی بھی ایسی نہیں جو خود محتاج نہ ہو، جو خود کسی طاقت سے دبی ہوئی نہ ہو، اور جس پر کبھی نہ کبھی زوال نہ آتا ہو۔ پھر جب ان سب کا یہ حال ہے تو ان میں سے کوئی رب کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ان میں سے کسی نے مجھ کو پیدا نہیں کیا، نہ کسی کے ہاتھ میں میری موت اور زیست کا اور نفع اور نقصان کا اختیار

ہے، نہ کسی کے ہاتھ میں رزق اور حاجت روائی کی کنجیاں ہیں، تو مَیں ان کو رب کیوں مانوں اور کیوں اُن کے آگے بندگی واطاعت میں سر جھکاؤں؟ میرا رب تو وہی ہوسکتا ہے جس نے سب کو پیدا کیا، جس کے سب محتاج ہیں اور جس کے اختیار میں سب کی موت وزیست اور سب کا نفع ونقصان ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت ابراہیمؑ نے قطعی فیصلہ کرلیا کہ جن معبودوں کو میری قوم پوجتی ہے اُن کو مَیں ہرگز نہ پوجوں گا اور اس فیصلے پر پہنچنے کے بعد انہوں نے علی الاعلان لوگوں سے کہہ دیا کہ:

اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۝[۱] ”جن کو تم خدائی میں شریک ٹھہراتے ہو، اُن سے میرا کوئی واسطہ نہیں۔“

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ۝ۚ[۲] ”میں نے سب سے منہ موڑ کر اس ذات کو عبادت وبندگی کے لیے خاص کرلیا ہے، جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا اور مَیں ہرگز شرک کرنے والا نہیں ہوں۔“

مصائب کے پہاڑ

اس اعلان کے بعد حضرت ابراہیمؑ پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، باپ نے کہا مَیں عاق کردوں گا اور گھر سے نکال باہر کروں گا۔ قوم نے کہا ہم میں سے کوئی تمہیں پناہ نہ دے گا۔ حکومت بھی اُن کے پیچھے پڑ گئی اور بادشاہ کے سامنے مقدمہ پیش ہوا۔ مگر وہ یکّہ وتنہا انسان سب کے مقابلے میں سچائی کی خاطر ڈٹ کر کھڑا ہوگیا۔ باپ کو ادب سے جواب دیا کہ جو علم میرے پاس ہے وہ تمہیں نہیں ملا، اس لیے بجائے اس کے کہ مَیں تمہاری پیروی کروں، تمہیں میری پیروی کرنی چاہیے۔ قوم کی دھمکیوں کے جواب میں اس کے بُتوں کو اپنے ہاتھ سے توڑ کر ثابت کردیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ خود کس قدر بے بس ہیں۔ بادشاہ کے بھرے دربار میں جاکر صاف کہہ دیا کہ تو میرا رب نہیں ہے بلکہ وہ ہے جس کے ہاتھ میں میری اور تیری زندگی وموت ہے۔ اور جس کے قانون کی بندش میں سُورج تک جکڑا ہوا ہے۔ آخر شاہی دربار میں فیصلہ ہوا کہ اس شخص کو زندہ جلا ڈالا جائے۔ مگر وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط دل رکھنے والا انسان، جو خدائے واحد پر ایمان لاچکا تھا، اس ہولناک سزا کو بھگتنے کے لیے بھی تیار ہوگیا۔ پھر جب اللہ نے اپنی قدرت

---

(۱) الانعام:۷۸۔

(۲) الانعام:۷۹۔

سے اس کو آگ میں جلنے سے بچالیا تو وہ اپنے گھر بار، عزیز و اقارب، قوم اور وطن سب کو چھوڑ چھاڑ کر صرف اپنی بیوی اور ایک بھتیجے کو لے کر غریب الوطنی میں ملک ملک کی خاک چھاننے کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جس شخص کے لیے اپنے گھر میں مہنت کی گدّی موجود تھی، جو اس پر بیٹھ کر اپنی قوم کا پیر بن سکتا تھا۔ دولت و عزّت دونوں جس کے قدم چُومنے کے لیے تیار تھیں، اور جو اپنی اولاد کو بھی اس مہنتی کی گدّی پر مزے لُوٹنے کے لیے چھوڑ سکتا تھا، اس نے اپنے لیے اور اپنی اولاد کے لیے جلا وطنی اور بے سروسامانی کی زندگی پسند کی۔ کیوں کہ دنیا کو جھوٹے خداؤں کے جال میں پھانس کر خود مزے کرنا اسے گوارا نہ تھا اور اس کے مقابلہ میں یہ گوارا تھا کہ ایک سچے خدا کی طرف لوگوں کو بُلائے اور اس جُرم کی پاداش میں کہیں چین سے نہ بیٹھ سکے۔

ہجرت

وطن سے نکل کر حضرت ابراہیمؑ شام، فلسطین، مصر اور عرب کے ملکوں میں پھرتے رہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ اس مسافرت کی زندگی میں اُن پر کیا گُزری ہوگی۔ مال و زر کچھ ساتھ لے کر نہ نکلے تھے اور باہر نکل کر اپنی روٹی کمانے کی فکر میں نہیں پھر رہے تھے بلکہ رات دن فکر تھی تو یہ تھی کہ لوگوں کو ہر ایک کی بندگی سے نکال کر صرف ایک خدا کا بندہ بنائیں۔ اس خیال کے آدمی کو جب اس کے اپنے باپ نے اور اس کی اپنی قوم نے برداشت نہ کیا تو اور کون برداشت کر سکتا تھا؟ کہاں اس کی آؤ بھگت ہو سکتی تھی؟ ہر جگہ وہی مندروں کے مہنت اور وہی خدائی کے مدّعی بادشاہ موجود تھے اور ہر جگہ وہی جاہل عوام بستے تھے جو ان جھوٹے خداؤں کے پھندے میں پھنسے ہوئے تھے۔ ان لوگوں کے درمیان وہ شخص کہاں چین سے بیٹھ سکتا تھا جو نہ صرف خود ہی خدا کے سوا کسی کی خدائی ماننے کے لیے تیار نہ تھا بلکہ دوسروں سے بھی علانیہ کہتا پھرتا تھا کہ ایک اللہ کے سوا تمہارا کوئی مالک اور آقا نہیں ہے۔ سب کی آقائی و خداوندی کا تختہ اُلٹ دو، اور صرف اُس ایک کے بندے بن کر رہو۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کسی جگہ قرار نصیب نہ ہوا۔ سالہا سال بے خانماں پھرتے رہے، کبھی کنعان کی بستیوں میں ہیں تو کبھی مصر میں اور کبھی عرب کے ریگستان میں۔ اسی طرح ساری جوانی بیت گئی اور کالے بال سفید ہو گئے۔

اولاد اور اس کی تربیّت

اخیر عمر میں جب ۹۰ برس پورے ہونے میں صرف چار سال باقی تھے اور اولاد سے مایوسی ہوچکی تھی، اللہ نے اولاد دی۔ لیکن اس اللہ کے بندے کو اب بھی یہ فکر نہ ہوئی کہ خود خانماں برباد ہوا ہوں تو کم از کم اپنے بچوں ہی کو دنیا کمانے کے قابل بناؤں اور انہیں کسی ایسے کام پر لگا جاؤں کہ روٹی کا سہارا مل جائے۔ نہیں، اس بوڑھے مُسلمان کو فکر تھی تو یہ تھی کہ جس مشن کو پھیلانے میں خود اُس نے اپنی عمر کھپادی تھی، کاش کوئی ایسا ہو جو اس کے مرنے کے بعد بھی اسی مشن کو پھیلاتا رہے اسی غرض کے لیے وہ اللہ سے اولاد کا آرزومند تھا، اور جب اللہ نے اولاد دی تو اس نے یہی چاہا کہ اپنے کام کو جاری رکھنے کے لیے انہیں تیار کرے۔ اس انسانِ کامل کی زندگی ایک سچے اور اصلی مسلمان کی زندگی تھی۔ ابتدائے جوانی میں ہوش سنبھالنے کے بعد ہی جب اُس نے اپنے خدا کو پہچانا اور پالیا تو خدا نے اس سے کہا تھا کہ اَسْلِمْ (اسلام لے آ، اپنے آپ کو میرے سپرد کردے، میرا ہو کر رہ) اور اُس نے جواب میں قول دے دیا تھا کہ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ [1] (میں نے اسلام قبول کیا، مَیں رب العالمین کا ہوگیا، مَیں نے اپنے آپ کو اُس کے سُپرد کردیا)۔ اس قول و قرار کو اُس سچے آدمی نے تمام عمر پوری پابندی کے ساتھ نباہ کر دکھادیا۔ اس نے رب العالمین کی خاطر صدیوں کے آبائی مذہب اور اس کی رسموں اور عقیدوں کو چھوڑا، اور دنیا کے ان سارے فائدوں کو چھوڑا، اپنی جان کو آگ کے خطرے میں ڈالا، جلاوطنی کی مصیبتیں سہیں، ملک ملک کی خاک چھانی، اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ رب العالمین کی اطاعت اور اس کے دین کی تبلیغ میں صرف کردیا اور بڑھاپے میں جب اولاد نصیب ہوئی تو اس کے لیے بھی یہی دین اور یہی کام پسند کیا۔

سب سے بڑی آزمائش

مگر ان آزمائشوں کے بعد ایک اور آخری آزمائش باقی رہ گئی تھی جس کے بغیر یہ فیصلہ نہ ہوسکتا تھا کہ یہ شخص دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر رب العالمین سے محبت رکھتا ہے۔ اور وہ آزمائش یہ تھی کہ اس بڑھاپے میں جبکہ پُوری مایوسی کے بعد اسے اولاد نصیب ہوئی ہے، اپنے اکلوتے بیٹے کو ربِ العالمین کی خاطر قربان کرسکتا ہے یا نہیں، چنانچہ یہ آزمائش بھی کر ڈالی گئی، اور

(۱) البقرۃ:۱۳۱۔

جب اشارہ پاتے ہی وہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنے پر آمادہ ہوگیا، تب فیصلہ فرمادیا گیا کہ ہاں اب تم نے اپنے مسلم ہونے کے دعوے کو بالکل سچا کردکھایا۔ اب تم اس کے اہل ہو کہ تمہیں ساری دنیا کا امام بنایا جائے۔ اسی بات کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے کہ:

امامتِ عالم پر سرفرازی

وَاِذِابۡتَلٰۤی اِبۡرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِکَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّؕ قَالَ اِنِّیۡ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًاؕ قَالَ وَمِنۡ ذُرِّیَّتِیۡؕ قَالَ لَایَنَالُ عَهۡدِی الظّٰلِمِیۡنَ۝ (البقرۃ: ۱۲۴)

''اور جب ابراہیمؑ کو اُس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان میں پورا اُتر گیا تو فرمایا کہ مَیں تجھ کو انسانوں کا امام (پیشوا) بناتا ہوں۔ اس نے عرض کیا اور میری (اولاد کے متعلق کیا حکم ہے؟ جواب دیا ان میں سے جو ظالم ہوں گے انہیں میرا عہد نہیں پہنچتا۔''

اِس طرح حضرت ابراہیمؑ کو پیشوائی سونپی گئی اور وہ اسلام کی عالمگیر تحریک کے لیڈر بنائے گئے، اب اُن کو اس تحریک کی اشاعت کے لیے ایسے آدمیوں کی ضرورت پیش آئی جو مختلف علاقوں کو سنبھال کر بیٹھ جائیں اور ان کے خلیفہ یا نائب کی حیثیت سے کام کریں۔ اس کام میں تین آدمی اُن کے لیے قوتِ بازو ثابت ہوئے۔ ایک اُن کے بھتیجے حضرت لُوط علیہ السلام، دوسرے اُن کے بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جنہوں نے یہ سُن کر کہ رب العٰلمین ان کی جان کی قربانی چاہتا ہے، خود اپنی گردن خوشی خوشی چھُری کے نیچے رکھ دی۔ تیسرے اُن کے چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰق علیہ السّلام۔

حضرت لوطؑ کو شرقِ اُردن بھیجا

بھتیجے کو آپ نے سدوم کے علاقہ میں بٹھایا، جس کو آج کل شرقِ اُردن (ٹرانس جورڈینیا) کہتے ہیں۔ یہاں اس وقت کی سب سے زیادہ پاجی قوم رہتی تھی، اس لیے اس کی اصلاح مدِّ نظر تھی اور ساتھ ہی دُور دراز کے علاقوں پر بھی اثر ڈالنا مقصود تھا۔ کیوں کہ ایران، عراق

اور مصر کے درمیان آنے جانے والے سب تجارتی قافلے اسی علاقے سے گزرتے تھے اور یہاں بیٹھ کر دونوں طرف تبلیغ کا سلسلہ جاری کیا جاسکتا تھا۔

حضرت اسحٰقؑ کو فلسطین بھیجا

چھوٹے صاحبزادے حضرت اسحٰقؑ کو کنعان کے علاقہ میں آباد کیا جس کو آجکل فلسطین کہا جاتا ہے۔ یہ علاقہ شام اور مصر کے درمیان واقع ہے، اور سمندر کے کنارے ہونے کی وجہ سے دوسرے ملکوں پر بھی یہاں سے اثر ڈالا جاسکتا ہے۔ یہیں سے حضرت اسحٰقؑ کے بیٹے حضرت یعقوبؑ (جن کا نام اسرائیل بھی تھا) اور پوتے حضرت یوسفؑ کی بدولت اسلام کی تحریک مصر تک پہنچی۔

حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں رکھا

بڑے صاحبزادے حضرت اسمٰعیلؑ کو حجاز میں مکّے کے مقام پر رکھا اور ایک مدّت تک خود اُن کے ساتھ رَہ کر عرب کے تمام گوشوں میں اسلام کی تعلیم پھیلائی۔

تعمیرِ کعبہ

پھر یہیں دونوں باپ بیٹوں نے اسلامی تحریک کا وہ مرکز تعمیر کیا جو کعبہ کے نام سے آج ساری دنیا میں مشہور ہے۔ اس مرکز کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا تھا اور خود ہی اس تعمیر کی جگہ تجویز کی تھی۔ یہ عمارت محض ایک عبادت گاہ ہی نہ تھی، جیسے مسجدیں ہوا کرتی ہیں، بلکہ اوّل روز ہی سے اس کو دینِ اسلام کی عالمگیر تحریک کا مرکزِ تبلیغ واشاعت قرار دیا گیا تھا، اور اس کی غرض یہ تھی کہ ایک خدا کو ماننے والے ہر جگہ سے کھنچ کھنچ کر یہاں جمع ہوا کریں۔ مِل کر خدا کی عبادت کریں، اور اسلام کا پیغام لے کر پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں۔ یہی اجتماع تھا جس کا نام ''حج'' رکھا گیا۔ اس کی پوری تفصیل کہ یہ مرکز کس طرح تعمیر ہوا، کن جذبات اور کن دُعاؤں کے ساتھ دونوں باپ بیٹوں نے اس عمارت کی دیواریں اُٹھائیں اور کیسے حج کی ابتدا ہوئی، قرآن مجید میں یوں بیان کی گئی ہے:

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًی لِّلْعٰلَمِيْنَ ۚ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ (اٰلِ عمران: ۹۶، ۹۷)

''یقیناً پہلا گھر جو لوگوں کے لیے مقرر کیا گیا وہی تھا جو مکّہ میں تعمیر ہوا برکت والا گھر، اور سارے جہان والوں کے لیے مرکزِ ہدایت۔ اس میں اللہ کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں، مقامِ ابراہیمؑ ہے اور جو اس میں داخل ہو جاتا ہے اس کو امن مل جاتا ہے۔''

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ ؕ (العنکبوت: ۶۷)

''کیا لوگوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے کیسا پُرامن حرم بنایا ہے، حالانکہ اس کے گرد و پیش لوگ اُچک لیے جاتے ہیں۔ (یعنی جب کہ عرب میں ہر طرف لُوٹ مار، قتل و غارتگری اور جنگ و جدل کا بازار گرم تھا اس حرم میں ہمیشہ امن ہی رہا۔ حتّٰی کہ وحشی بدّو تک اس کے حدود میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ پاتے تو اس پر ہاتھ ڈالنے کی جراٗت نہ کرتے)۔''

حضرت ابراہیمؑ کی دُعائیں

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَّاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّی ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ... ۝ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ

اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ۝ (البقرة:۱۲۵-۱۲۹)

''اور جب کہ ہم نے اس گھر کو لوگوں کے لیے مرکز و مرجع اور امن کی جگہ بنایا اور حکم دیا کہ ابراہیمؑ کے مقام عبادت کو جائے نماز بنالو، اور ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کو ہدایت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے والے اور ٹھیرنے والے اور رکوع وسجدہ کرنے والے لوگوں کے لیے پاک صاف رکھو، اور جبکہ ابراہیمؑ نے دُعا کی کہ پروردگار، اس شہر کو پُر امن شہر بنادے اور یہاں کے باشندوں کو پھلوں کا رزق بہم پہنچا، جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لانے والا ہو...اور جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ اس گھر کی بنیادیں اُٹھارہے تھے تو دُعا کرتے جاتے تھے کہ پروردگار ہماری اس کوشش کو قبول فرما، تو سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔ پروردگار، اور تو ہم دونوں کو اپنا مسلم (اطاعت گُزار) بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اُٹھا جو تیری مسلم ہو، اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہم پر عنایت کی نظر رکھ کہ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ پروردگار، اور تو ان لوگوں میں انہی کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیجیو جو انہیں تیری آیات سُنائے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق دُرست کرے، یقیناً تو بڑی قوت والا ہے اور بڑا حکیم ہے۔''

وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ۝ؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ج فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ج وَ مَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝ رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ لا رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۝ (ابراهيم:۳۵-۳۷)

''اور جب کہ ابراہیمؑ نے دُعا کی کہ پروردگار، اس شہر کو پُر امن شہر بنا اور مجھ کو اور میرے بچّوں کو بُت پرستی سے بچا۔ پروردگار، ان بتوں نے بہتیرے لوگوں کو گمراہ کیا ہے۔ سو جو کوئی میرے طریقہ کی پیروی کرے تو میرا ہے اور جو میرے طریقے سے پھر جائے تو یقیناً تو غفور اور رحیم ہے۔ پروردگار، مَیں نے اپنی نسل کے ایک حصّہ کو تیرے اس عزّت والے گھر کے پاس اس بے آب وگیاہ وادی میں لا بسایا ہے تا کہ یہ نماز کا نظام قائم کریں۔ پس اے رب، تو لوگوں کے دلوں میں ایسا شوق ڈال کہ وہ

ان کی طرف کھنچ کر آئیں اور ان کو پھلوں سے رزق پہنچا۔ امید ہے کہ یہ تیرے شکر گزار بنیں گے۔''

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ۝ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِيْرَ ۝ (الحج:۲۶-۲۸)

''اور جب کہ ہم نے ابراہیمؑ کے لیے اس گھر کی جگہ مقرر کی اس ہدایت کے ساتھ کہ یہاں شرک نہ کرو، اور میرے گھر کو طواف کرنے والوں اور قیام کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاک صاف رکھو اور لوگوں میں حج کی عام منادی کر دو کہ تمہارے پاس آئیں، خواہ پیدل آئیں یا ہر دُور دراز مقام سے دُبلی اونٹنیوں پر آئیں تاکہ یہاں آ کر وہ دیکھیں کہ ان کے لیے کیسے کیسے دینی و دنیوی منافع ہیں اور ان چند مقرر دنوں میں ان جانوروں پر جو اللہ نے ان کو دیے ہوں اللہ کا نام لیں (یعنی قربانی کریں) اور اس میں سے خود بھی کھائیں اور تنگدست محتاج لوگوں کو بھی کھلائیں۔''

برادرانِ اسلام! یہ ہے اُس حج کی ابتدا کا قصہ جسے اسلام کا پانچواں رُکن قرار دیا گیا ہے۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ دنیا میں سب سے پہلے جس نبی کو اسلام کی عالم گیر دعوت پھیلانے پر مامور کیا گیا تھا، مکّہ اس کے مشن کا صدر مقام تھا۔ کعبہ وہ مرکز تھا جہاں سے یہ تبلیغ دنیا کے مختلف گوشوں میں پہنچائی جاتی تھی، اور حج کا طریقہ اس لیے مقرر کیا گیا تھا کہ جو لوگ خدائے واحد کی بندگی کا اقرار کریں اور اس کی اطاعت میں داخل ہوں، خواہ وہ کسی قوم اور کسی ملک سے تعلق رکھتے ہوں، سب کے سب اس ایک مرکز سے وابستہ ہو جائیں اور ہر سال یہاں جمع ہو کر اس مرکز کے گرد طواف کریں۔ گویا ظاہر میں اپنی اس باطنی کیفیت کا نقشہ جمالیں کہ ان کی زندگی اس پہیے کی طرح ہے جو ہمیشہ اپنے دُھرے کے گرد ہی گھومتا ہے۔

حج کی تاریخ

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبے میں آپ کو بتا چکا ہوں کہ حج کی ابتدا کس طرح اور کس غرض کے لیے ہوئی تھی۔ یہ بھی آپ کو بتا چکا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے مکّے کو اس اسلامی تحریک کا مرکز بنایا تھا اور یہاں اپنے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو بٹھایا تھا تا کہ آپ کے بعد وہ اس تحریک کو جاری رکھیں۔

اولادِ ابراہیمؑ میں بُت پرستی کا رواج

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد اُن کی اولاد کب تک اس دین پر قائم رہی، جس پر اُن کے باپ اُن کو چھوڑ گئے تھے۔ بہر حال چند صدیوں میں یہ لوگ اپنے بزرگوں کی تعلیم اور ان کے طریقے سب بھول بھال گئے اور رفتہ رفتہ ان میں وہ سب گمراہیاں پیدا ہو گئیں جو دوسری جاہل قوموں میں پھیلی ہوئی تھیں۔ اُسی کعبے میں جسے ایک خدا کی پرستش کے لیے دعوت و تبلیغ کا مرکز بنایا گیا تھا، سینکڑوں بُت رکھ دیے گئے تھے اور غضب یہ ہے کہ خود حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو بھی بُت بنا ڈالا گیا، جن کی ساری زندگی بُتوں ہی کی پرستش مٹانے میں صرف ہوئی تھی۔ ابراہیمؑ حنیف کی اولاد نے لات، منات، ہُبل، نَسر، یَغوث، عُزّیٰ، اساف، نائلہ اور خدا جانے کس کس نام کے بُت بنائے اور ان کو پوجا۔ چاند، عطارد، زہرہ، زحل، اور معلوم نہیں کس کس ستارے کو پوجا۔ جن، بھوت، پریت، فرشتوں اور اپنے مُردہ بزرگوں کی رُوحوں کو پوجا۔ جہالت کا زور یہاں تک بڑھا کہ جب گھر سے نکلتے اور اپنا خاندانی بُت انہیں پوجنے کو نہ ملتا تو راستہ چلتے میں جو اچھا سا چکنا پتھر مل جاتا اُسی کو پوج ڈالتے، اور پتھر بھی نہ ملتا تو مٹی کو پانی سے گوندھ کر ایک

پنڈا سا بنا لیتے اور بکری کا دُودھ چھڑکتے ہی وہ بے جان پنڈا ان کا خدا بن جاتا۔ جس مہنت گری اور پنڈتائی کے خلاف ان کے باپ ابراہیم علیہ السلام نے عراق میں لڑائی کی تھی وہ خود انہی کے گھر میں گھس آئی۔ کعبے کو اُنھوں نے ہردوار یا بنارس بنالیا، خود وہاں کے مہنت بن کر بیٹھ گئے۔ حج کو تیرتھ جاترا بنا کر اس گھر سے جو توحید کی تبلیغ کے لیے بنا تھا بُت پرستی کی تبلیغ کرنے لگے، اور پُجاریوں کے سارے ہتھکنڈے اختیار کر کے اُنہوں نے عرب کے دُور و نزدیک سے آنے والے جاتریوں سے نذر چڑھاوے وصول کرنے شروع کر دیے۔ اس طرح وہ سارا کام برباد ہو گیا جو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کر گئے تھے، اور جس مقصد کے لیے انہوں نے حج کا طریقہ جاری کیا تھا اس کی جگہ کچھ اور ہی کام ہونے لگے۔

حج میں بگاڑ کی شکلیں

شعرا کے مقابلے

اس جاہلیت کے زمانے میں حج کی جو گت بنی اس کا اندازہ آپ اس سے کر سکتے ہیں کہ یہ ایک میلہ تھا جو سال کے سال لگتا تھا۔ بڑے بڑے قبیلے اپنے اپنے جتھوں کے ساتھ یہاں آتے اور اپنے اپنے پڑاؤ الگ ڈالتے۔ ہر قبیلے کا شاعر یا بھاٹ اپنی اور اپنے قبیلے والوں کی بہادری، ناموری، عزّت، طاقت اور سخاوت کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملاتا اور ہر ایک ڈینگیں مارنے میں دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتا یہاں تک کہ دوسرے کی ہجو تک نوبت پہنچ جاتی۔

جھوٹی سخاوت کے مظاہرے

پھر فیاضی کا مقابلہ ہوتا۔ ہر قبیلے کے سردار اپنی بڑائی جتانے کے لیے دیگیں چڑھاتے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے اونٹ پر اونٹ کاٹتے چلے جاتے۔ اس فضول خرچی سے ان لوگوں کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ اس میلے کے موقع پر اُن کا نام سارے عرب میں اُونچا ہو جائے اور یہ چرچے ہوں کہ فلاں صاحب نے اتنے اونٹ ذبح کیے اور فلاں صاحب نے اِتنوں کو کھانا کھلایا۔ اِن مجلسوں میں راگ، رنگ، شراب خوری، زنا اور ہر قسم کی فحش کاری خوب دھڑلّے سے ہوتی تھی اور خدا کا خیال مشکل ہی سے کسی کو آتا تھا۔

برہنہ طواف

کعبے کے گرد طواف ہوتا تھا، مگر کس طرح؟ عورت مرد سب ننگے ہو کر گھومتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اس حالت میں خدا کے سامنے جائیں گے، جس میں ہماری ماؤں نے ہمیں جنا ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام کی مسجد میں عبادت ہوتی تھی، مگر کیسی؟ تالیاں پیٹی جاتیں، سیٹیاں بجائی جاتیں اور نرسنگھے پھونکے جاتے۔ خدا کا نام پکارا جاتا، مگر کس شان سے؟ کہتے تھے:

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ اِلَّا شَرِیْکًا ھُوَلَکَ تَمْلِکُہٗ وَمَامَلَکَ.

”یعنی مَیں حاضر ہوں میرے اللہ مَیں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ جو تیرا ہونے کی وجہ سے تیرا شریک ہے۔ تو اس کا بھی مالک ہے اور اس کی ملکیّت کا بھی مالک ہے۔“

قربانی کا تصور

خدا کے نام پر قربانیاں کرتے تھے، مگر کس بدتمیزی کے ساتھ؟ قربانی کا خون کعبے کی دیواروں سے لتھیڑا جاتا اور گوشت دروازے پر ڈالا جاتا، اس خیال سے کہ نعوذ باللہ یہ خون اور گوشت خدا کو مطلوب ہے۔

حرام مہینوں کی بے حُرمتی

حضرت ابراہیمؑ نے حج کے چار مہینوں کو حرام ٹھیرایا تھا اور ہدایت کی تھی کہ اِن مہینوں میں کسی قسم کی جنگ وجدل نہ ہو۔ یہ لوگ اِس حُرمت کا کسی حد تک خیال رکھتے تھے، مگر جب لڑنے کو جی چاہتا تو ڈھٹائی کے ساتھ ایک سال حرام مہینے کو حلال کر لیتے اور دُوسرے سال اس کا بدلا کر دیتے تھے۔

چند خود ساختہ پابندیاں

پھر جو لوگ اپنے مذہب میں نیک نیت تھے انہوں نے بھی جہالت کی وجہ سے عجیب عجیب طریقے ایجاد کر لیے تھے۔ کچھ لوگ بغیر زادِراہ لیے حج کو نکل کھڑے ہوتے اور مانگتے کھاتے چلے جاتے تھے۔ ان کے نزدیک یہ نیکی کا کام تھا۔ کہتے تھے ہم متوکّل ہیں، خدا کے گھر کی طرف

جا رہے ہیں، پھر دنیا کا سامان کیوں لیں۔ عموماً حج کے سفر میں تجارت کرنے یا کمائی کے لیے محنت مشقت کرنے کو ناجائز سمجھا جاتا تھا، بہت سے لوگ حج میں کھانا پینا چھوڑ دیتے تھے اور اسے بھی داخلِ عبادت سمجھتے تھے۔ بعض لوگ حج کو نکلتے تو بات چیت کرنا ترک کر دیتے۔ اس کا نام حجِ مُصْمِت، یعنی گونگا حج تھا۔ اسی قسم کی اور غلط رسمیں بے شمار تھیں جن کا حال بیان کر کے میں آپ کا وقت ضائع کرنا نہیں چاہتا۔

دُعائے خلیلؑ کی قبولیّت

یہ حالت کم و بیش دو ہزار برس تک رہی۔ اس طویل مدت میں کوئی نبی عرب میں پیدا نہیں ہوا، نہ کسی نبی کی خالص تعلیم عرب کے لوگوں تک پہنچی۔ آخر کار حضرت ابراہیمؑ کی اُس دُعا کے پورا ہونے کا وقت آیا جو انہوں نے کعبے کی دیواریں اٹھاتے وقت اللہ سے مانگی تھی، یعنی ''پروردگار، ان کے درمیان ایک پیغمبر خود انہی کی قوم میں سے بھیجیو، جو انہیں تیری آیات سُنائے اور کتاب اور دانائی کی تعلیم دے اور ان کے اخلاق درست کرے۔'' چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد سے پھر ایک انسانِ کامل اٹھا جس کا نامِ پاک محمد بن عبداللہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے پنڈتوں اور مہنتوں کے خاندان میں آنکھ کھولی تھی، اسی طرح حضرت محمد ﷺ نے بھی اُس خاندان میں آنکھ کھولی جو صدیوں سے کعبہ کے تیرتھ کا مہنت بنا ہوا تھا۔ جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے اپنے ہاتھ سے خود اپنے خاندان کی مہنتی پر ضرب لگائی، اسی طرح آنحضرتؐ نے بھی اس پر ضرب لگائی اور محض ضرب ہی نہیں لگائی بلکہ ہمیشہ کے لیے اس کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ پھر جس طرح حضرت ابراہیمؑ نے تمام باطل عقیدوں اور جھوٹے خداؤں کی خدائی مٹانے کے لیے جدوجہد کی تھی اور ایک خدا کی بندگی پھیلانے کی کوشش کی تھی، بالکل وہی کام آنحضرتؐ نے بھی کیا اور پھر اُسی اصلی اور بے لوث دین کو تازہ کر دیا جسے حضرت ابراہیمؑ لے کر آئے تھے۔ ۲۱ سال کی مدّت میں جب یہ سارا کام آپؐ مکمل کر چکے تو اللہ کے حکم سے آپ نے پھر اُسی طرح کعبے کو تمام دنیا کے خدا پرستوں کا مرکز بنانے کا اعلان کیا اور پھر وہی منادی کی کہ سب طرف سے حج کے لیے اس مرکز کی طرف آؤ۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ○ (ال عمران: ۹۷)

''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو کوئی اس گھر تک آنے کی قدرت رکھتا ہو وہ حج کے لیے آئے۔ پھر جو کوئی کفر کرے (یعنی قدرت کے باوجود نہ آئے) تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

سنتِ ابراہیمیؑ کا احیاء

اس طرح حج کا از سرِ نو آغاز کرنے کے ساتھ ہی جاہلیّت کی وہ ساری رسمیں بھی یک قلم مٹادی گئیں جو پچھلے دو ہزار برس میں رواج پا گئی تھیں۔

بُت پرستی کا خاتمہ

کعبے کے سارے بُت توڑے گئے، خدا کے سوا دوسروں کی جو پرستش وہاں ہو رہی تھی وہ قطعاً روک دی گئی، سب رسمیں مٹادی گئیں، میلے ٹھیلے اور تماشے بند کر دیے گئے اور حکم دیا گیا کہ اب جو طریقہ عبادت کا بتایا جارہا ہے اسی طریقے سے یہاں اللہ کی عبادت کرو۔

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ.

(البقرۃ:۱۹۸)

''اللہ کو یاد کرو اس طرح جیسی تمہیں اللہ نے ہدایت کی ہے ورنہ اس سے پہلے تو تم گمراہ لوگ تھے۔''

بیہودہ افعال کی ممانعت

تمام بیہودہ افعال کی سخت ممانعت کردی گئی:

فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ (البقرۃ:۱۹۷)

''حج میں نہ شہوانی افعال کیے جائیں، نہ فسق و فجور ہو، نہ لڑائی جھگڑے ہوں۔''

شاعری کے دنگل بند

شاعری کے دنگل، باپ دادا کے کارناموں پر فخر، بھٹئی اور ہجو گوئی کے مقابلے سب بند کر دیے گئے:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

(البقرۃ:۲۰۰)

''پھر جب اپنے مناسکِ حج ادا کر چکو تو جس طرح تم اپنے باپ دادا کا ذکر کیا کرتے تھے اب اللہ کو یاد کرو بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔''

نمائشی فیّاضی کا خاتمہ

فیّاضی کے مقابلے، جو محض دکھاوے اور ناموری کے لیے ہوتے تھے ان سب کا خاتمہ کر دیا گیا اور اس کی جگہ وہی حضرت ابراہیمؑ کے زمانے کا طریقہ پھر زندہ کیا گیا کہ محض اللہ کے نام پر جانور ذبح کیے جائیں تا کہ خوشحال لوگوں کی قربانی سے غریب حاجیوں کو بھی کھانے کا موقع مل جائے۔

وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ۝

(الاعراف: ۳۱)

''کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو کہ اللہ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔''

فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ؕ (الحج: ۳۶)

''ان جانوروں کو خالص اللہ کے لیے اسی کے نام پر قربان کرو، پھر جب ان کی پیٹھیں زمین پر ٹھہر جائیں (یعنی جب جان پوری طرح نکل چکے اور حرکت باقی نہ رہے) تو خود بھی ان میں سے کھاؤ اور قانع کو بھی کھلاؤ اور حاجت مند سائل کو بھی۔''

قربانی کا خون اور گوشت لتھیڑنا موقوف

قربانی کے خون کعبہ کی دیواروں سے لتھیڑنا اور گوشت لا کر ڈالنا موقوف کیا گیا اور ارشاد ہوا:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ (الحج: ۳۷)

''اللہ کو ان جانوروں کے گوشت اور خون نہیں پہنچتے بلکہ تمہاری پرہیزگاری و خدا ترسی پہنچتی ہے۔''

برہنہ طواف کی ممانعت

برہنہ ہو کر طواف کرنے کی قطعی ممانعت کر دی گئی اور فرمایا گیا:

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ (الاعراف: ۳۲)

''اے نبی، ان سے کہو کہ کس نے اللہ کی اُس زینت کو حرام کیا جو اُس نے اپنے بندوں کے لیے نکالی تھی (یعنی لباس)؟''

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ ط (الاعراف: ۲۸)

''اے نبی، کہو کہ اللہ تو ہرگز بے حیائی کا حکم نہیں دیتا۔''

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: ۳۱)

''اے آدم زادو! ہر عبادت کے وقت اپنی زینت (یعنی لباس) پہنے رہا کرو۔''

حج کے مہینوں میں اُلٹ پھیر کی ممانعت

حج کے مہینوں کا اُلٹ پھیر کرنے اور حرام مہینوں کو لڑائی کے لیے حلال کر لینے سے سختی کے ساتھ روک دیا گیا:

اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ط (التوبۃ: ۳۷)

''نسی تو کفر میں اور زیادتی ہے (یعنی کفر کے ساتھ ڈھٹائی کا اضافہ ہے) کافر لوگ اس طریقہ سے اور زیادہ گمراہی میں پڑتے ہیں۔ ایک سال ایک مہینہ کو حلال کر لیتے ہیں اور دوسرے سال اُس کے بدلہ میں کوئی دوسرا مہینہ حرام کر دیتے ہیں تاکہ جتنے مہینے اللہ نے حرام ٹھیرائے ہیں ان کی تعداد پوری کر دی جائے۔ مگر اس بہانے سے دراصل اُس چیز کو حلال کر لیا جائے جسے اللہ نے حرام کیا تھا۔''

زادِ راہ لینے کا حکم

زادِ راہ لیے بغیر حج کے لیے نکلنے کو ممنوع ٹھیرایا گیا اور ارشاد ہوا:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ز (البقرۃ: ۱۹۷)

''زادِ راہ ضرور لو کیوں کہ (دنیا میں زادِ راہ نہ لینا زادِ آخرت نہیں ہے) بہترین زادِ آخرت تو تقویٰ ہے۔''

حج میں روزی کمانے کی اجازت

سفرِ حج میں کمائی نہ کرنے کو جو نیکی کا کام سمجھا جاتا تھا، اور روزی کمانے کو ناجائز خیال کیا جاتا تھا اس کی تردید کی گئی:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ط (البقرة:۱۹۸)

''کوئی مضائقہ نہیں اگر تم کاروبار کے ذریعہ سے اپنے رب کا فضل تلاش کرتے جاؤ۔''

جاہلی رسموں کا خاتمہ

گونگے حج اور بھوکے پیاسے حج سے بھی روکا گیا، اور اس طرح جاہلیّت کی دوسری تمام رسموں کو مٹا کر حج کو تقویٰ، خداترسی، پاکیزگی اور سادگی و درویشی کا مکمّل نمونہ بنا دیا گیا۔

حاجیوں کو حکم دیا گیا کہ جب اپنے گھروں سے چلو تو اپنے آپ کو تمام دنیوی آلائشوں سے پاک کرلو، شہوات کو چھوڑ دو، بیویوں کے ساتھ بھی اس زمانہ میں تعلق زن وشو نہ رکھو۔ گالی گلوچ اور تمام بیہودہ اعمال سے پرہیز کرو۔

میقات کا تعیّن

کعبہ کی طرف آنے والے جتنے راستے ہیں، اُن سب پر بیسیوں میل دُور سے ایک ایک حد مقرر کردی گئی کہ اس حد سے آگے بڑھنے سے پہلے سب لوگ اپنے اپنے لباس بدل کر احرام کا فقیرانہ لباس پہن لیں، تاکہ سب امیر وغریب یکساں ہو جائیں، الگ الگ قوموں کے امتیازات مٹ جائیں، اور سب کے سب اللہ کے دربار میں ایک ہوکر، فقیر بن کر عاجزانہ شان کے ساتھ حاضر ہوں۔

پُر امن ماحول کی ہدایت

احرام باندھنے کے بعد انسان کا خون بہانا تو درکنار، جانور تک کا شکار کرنا حرام کردیا گیا تاکہ امن پسندی پیدا ہو، بہیمیّت دُور ہو جائے اور طبیعتوں پر رُوحانیت کا غلبہ ہو۔ حج کے چار مہینے اس لیے حرام کیے گئے کہ اس مدّت میں کوئی لڑائی نہ ہو، کعبہ کو جانے والے تمام راستوں میں

امن رہے اور زائرینِ حرم کو کوئی نہ چھیڑے۔ اس شان کے ساتھ جب حاجی حرم میں پہنچیں تو اُن کے لیے کوئی میلہ ٹھیلہ، کھیل تماشا، ناچ رنگ وغیرہ نہیں ہے۔ قدم قدم پر خدا کا ذکر ہے، نمازیں ہیں، عبادتیں ہیں، قربانیاں ہیں، کعبہ کا طواف ہے، اور کوئی پکار ہے تو بس یہ ہے کہ:

ایک ہی نعرۂ تلبیہ

لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَۃَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ.

''حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، یقیناً تعریف سب تیرے ہی لیے ہے، نعمت سب تیری ہے۔ ساری بادشاہی تیری ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔''

ایسے ہی پاک صاف، بےلوث اور مخلصانہ حج کے متعلق نبی ﷺ نے فرمایا:

مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفُثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمِ وَلَدَتْہُ اُمُّہٗ.

''جس نے اللہ کے لیے حج کیا اور اس میں شہوات اور فسق و فجور سے پرہیز کیا وہ اس طرح پلٹا جیسے آج ہی اپنی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے۔''

فریضۂ حج کی اہمیت

اب قبل اس کے کہ آپ کے سامنے حج کے فائدے کے بارے میں کچھ بیان کیے جائیں، یہ بھی بتا دینا ضروری ہے کہ یہ فرض کیسا ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ط وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ o (ال عمران:۹۷)

''اور لوگوں پر اللہ کا حق ہے کہ جو اس گھر تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جس نے کفر کیا تو اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔''

اس آیت میں قدرت رکھنے کے باوجود قصداً حج نہ کرنے کو کفر کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس کی شرح نبی ﷺ کی ان دو حدیثوں سے ہوتی ہے:

مَنْ مَلَکَ زَادًا وَّ رَاحِلَۃً تُبَلِّغُہٗ اِلٰی بَیْتِ اللّٰہِ وَلَمْ یَحُجَّ فَلَا

عَلَيۡهِ اَنۡ يَّمُوۡتَ يَهُوۡدِيًّا اَوۡنَصۡرَانِيًّا.

"جو شخص زادِراہ اور سواری رکھتا ہو جس سے بیت اللہ تک پہنچ سکتا ہو اور پھر حج نہ کرے تو اس کا اس حالت پر مرنا اور یہودی یا نصرانی ہو کر مرنا یکساں ہے۔

مَنۡ لَّمۡ يَمۡنَعۡهُ مِنَ الۡحَجِّ حَاجَةٌ ظَاهِرَةٌ اَوۡسُلۡطَانٌ جَائِرٌ اَوۡمَرَضٌ حَابِسٌ فَمَاتَ وَلَمۡ يَحُجَّ فَلۡيَمُتۡ اِنۡ شَآءَ يَهُوۡدِيًّا وَّاِنۡ شَآءَ نَصۡرَانِيًّا.

"جس کو نہ کسی صریح حاجت نے حج سے روکا ہو، نہ کسی ظالم سلطان نے، نہ کسی روکنے والے مرض نے، اور پھر اُس نے حج نہ کیا ہو اور اسی حالت میں اُسے موت آجائے تو اُسے اختیار ہے خواہ یہودی بن کر مرے یا نصرانی بن کر۔"

اور اسی کی تفسیر حضرت عمرؓ نے کی جب کہا کہ "جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج نہیں کرتے، میرا جی چاہتا ہے کہ ان پر جزیہ لگا دوں وہ مسلمان نہیں ہیں، وہ مسلمان نہیں ہیں۔"

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان اور رسولؐ و خلیفۂ رسولؐ کی اس تشریح سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ یہ فرض ایسا فرض نہیں ہے کہ جی چاہے تو ادا کیجیے اور نہ چاہے تو ٹال دیجیے بلکہ یہ ایسا فرض ہے کہ ہر اس مسلمان کو جو کعبے تک جانے آنے کا خرچ رکھتا ہو اور ہاتھ پاؤں سے معذور نہ ہو، عمر میں ایک مرتبہ اسے لازماً ادا کرنا چاہیے۔ خواہ وہ دنیا کے کسی کونے میں ہو اور خواہ اس کے اوپر بال بچوں کی اور اپنے کاروبار یا ملازمت وغیرہ کی کیسی ہی ذمہ داریاں ہوں۔ جو لوگ قدرت رکھنے کے باوجود حج کو ٹالتے رہتے ہیں اور ہزاروں مصروفیتوں کے بہانے کر کر کے سال پر سال یونہی گزارتے چلے جاتے ہیں ان کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ رہے وہ لوگ جن کو عمر بھر کبھی یہ خیال ہی نہیں آتا کہ حج بھی کوئی فرض ان کے ذمہ ہے۔ دنیا بھر کے سفر کرتے پھرتے ہیں۔ کعبۂ یورپ کو آتے جاتے حجاز کے ساحل سے بھی گزر جاتے ہیں جہاں سے مکہ صرف چند گھنٹوں کی مسافت پر ہے، اور پھر بھی حج کا ارادہ تک اُن کے دل میں نہیں گزرتا، وہ قطعاً مسلمان نہیں ہیں۔ جھوٹ کہتے ہیں اگر اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں، اور قرآن سے جاہل ہے جو انہیں مسلمان سمجھتا ہے۔ اُن کے دل میں اگر مسلمانوں کا درد اُٹھتا ہے تو اُٹھا کرے، اللہ کی اطاعت اور اس کے حکم پر ایمان کا جذبہ تو بہرحال ان کے دل میں نہیں ہے۔

حج کے فائدے

برادرانِ اسلام! قرآن مجید میں جہاں یہ ذکر آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حج کی عام منادی کرنے کا حکم دیا تھا، وہاں اس حکم کی پہلی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ:

لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ (الحج:۲۸)

"تاکہ لوگ یہاں آ کر دیکھیں کہ اس حج میں اُن کے لیے کیسے فائدے ہیں۔"

یعنی یہ سفر کر کے اور اس جگہ جمع ہو کر وہ خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں کہ یہ انہی کے نفع کے لیے ہے اور اس میں جو فائدے پوشیدہ ہیں ان کا اندازہ کچھ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ آدمی یہ کام کر کے خود دیکھ لے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے متعلق روایت ہے کہ جب تک انہوں نے حج نہ کیا تھا، اُنہیں اس معاملہ میں تردّد تھا کہ اسلامی عبادات میں سب سے افضل کون سی عبادت ہے، مگر جب انہوں نے خود حج کر کے اُن بے حد و حساب فائدوں کو دیکھا جو اس عبادت میں پوشیدہ ہیں، تو بے تامّل پکار اُٹھے کہ یقیناً حج سب سے افضل ہے۔

آیئے اب میں آپ کو مختصر الفاظ میں اس کے فائدے بتاؤں:

سفرِ حج کی نوعیّت

دنیا کے لوگ عموماً دو ہی قسم کے سفروں سے واقف ہیں۔ ایک سفر وہ جو روٹی کمانے کے لیے کیا جاتا ہے، دوسرا وہ جو سیر و تفریح کے لیے کیا جاتا ہے۔ ان دونوں قسم کے سفروں میں اپنی غرض اور اپنی خواہش آدمی کو باہر نکلنے پر آمادہ کرتی ہے۔ گھر چھوڑتا ہے تو اپنی غرض کے لیے، بال

بچّوں اور عزیزوں سے جُدا ہوتا ہے تو اپنی خاطر۔ مال خرچ کرتا ہے یا وقت صرف کرتا ہے تو اپنے مطلب کے لیے۔ لہٰذا اس میں قربانی کا کوئی سوال نہیں ہے۔ مگر یہ سفر جس کا نام حج ہے، اس کا معاملہ اور سب سفروں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ سفر اپنی کسی غرض کے لیے یا اپنے نفس کی خواہش کے لیے نہیں ہے۔ بلکہ صرف اللہ کے لیے ہے اور اُس فرض کو ادا کرنے کے لیے ہے جو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ اس سفر پر کوئی شخص اُس وقت تک آمادہ ہو ہی نہیں سکتا جب تک کہ اس کے دل میں اللہ کی محبت نہ ہو، اُس کا خوف نہ ہو، اور اُس کے فرض کو فرض سمجھنے کا خیال نہ ہو۔ پس جو شخص اپنے گھر بار سے ایک لمبی مدت کے لیے علیحدگی، اپنے عزیزوں سے جُدائی، اپنے کاروبار کا نقصان، اپنے مال کا خرچ، اور سفر کی تکلیفیں گوارا کر کے حج کو نکلتا ہے، اُس کا نکلنا خود اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے اندر خوفِ خدا اور محبتِ خدا بھی ہے اور فرض کا احساس بھی، اور اُس میں یہ طاقت بھی موجود ہے کہ اگر کسی وقت خدا کی راہ میں نکلنے کی ضرورت پیش آئے تو وہ نکل سکتا ہے، تکلیفیں اُٹھا سکتا ہے، اپنے مال اور اپنی راحت کو خدا کی خوشنودی پر قربان کر سکتا ہے۔

نیکی اور تقویٰ کی رغبت

پھر جب وہ ایسے پاک ارادے سے سفر کے لیے تیار ہوتا ہے تو اس کی طبیعت کا حال کچھ اور ہی ہوتا ہے، جس دل میں خدا کی محبت کا شوق بھڑک اٹھا ہو اور جس کو اُدھر کی لَو لگ گئی ہو اُس میں پھر نیک ہی نیک خیال آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ گناہوں سے توبہ کرتا ہے اور لوگوں سے اپنا کہا سُنا بخشواتا ہے۔ کسی کا حق اُس پر آتا ہو تو اُسے ادا کرنے کی فکر کرتا ہے تاکہ خدا کے دربار میں بندوں کے حقوق کا بوجھ لادے ہوئے نہ جائے۔ بُرائی سے اس کے دل کو نفرت ہونے لگتی ہے اور قدرتی طور پر بھلائی کی طرف رغبت بڑھ جاتی ہے۔ پھر سفر کے لیے نکلنے کے ساتھ ہی جتنا جتنا وہ خدا کے گھر کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اُتنا ہی اس کے اندر نیکی کا جذبہ بھی بڑھتا چلا جاتا ہے۔ اُس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی کو اس سے اذیّت نہ پہنچے اور جس کی جتنی خدمت یا مدد ہو سکے کرے۔ بدکلامی و بیہودگی، بے حیائی، بددیانتی اور جھگڑا فساد کرنے سے خود اس کی اپنی طبیعت اندر سے رُکتی ہے کیونکہ وہ خدا کے راستے میں جا رہا ہے۔ حرمِ الٰہی کا مسافر ہو اور پھر بُرے کام کرتا ہوا جائے، ایسی شرم کی بات کسی سے کیسے ہو؛ اُس کا تو یہ سفر پورا کا پورا عبادت ہے، اس

عبادت کی حالت میں ظلم اور فسق کا کیا کام؟ پس دوسرے تمام سفروں کے برعکس یہ ایسا سفر ہے جو ہر دم آدمی کے نفس کو پاک کرتا رہتا ہے، اور یوں سمجھو کہ یہ ایک بہت بڑا اصلاحی کورس ہے جس سے لازماً ہر اُس مسلمان کو گزرنا ہوتا ہے جو حج کے لیے جائے۔

احرام اور اس کے شرائط

سفر کا ایک حصّہ ختم کر چکنے کے بعد ایک خاص حد ایسی آتی ہے جس سے کوئی مسلمان جو مکّہ جانا چاہتا ہو، احرام باندھے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ احرام کیا ہے؟ ایک فقیرانہ لباس، جس میں ایک تہ بند، ایک چادر اور جوتی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب تک جو کچھ تم تھے سو تھے مگر اب جو تمہیں خدا کے دربار میں جانا ہے تو فقیر بن کر چلو۔ ظاہر میں بھی فقیر بنو اور دل کے فقیر بھی بننے کی کوشش کرو۔ رنگین کپڑے اور آرائش کے لباس اُتارو۔ سادہ اور درویشانہ طرز کا لباس پہن لو۔ موزے نہ پہنو۔ سر کھُلا رکھو۔ خوشبو نہ لگاؤ۔ بال نہ بناؤ۔ ہر قسم کی زینت سے پرہیز کرو۔ عورت اور مرد کا تعلق بند کر دو، بلکہ ایسی حرکات و سکنات اور ایسی باتوں سے بھی پرہیز کرو جو اس تعلق کا شوق یا اس کی یاد دلانے والی ہوں۔ شکار نہ کرو، بلکہ شکاری کو شکار کا نشان دینے یا اس کا پتہ بتانے سے بھی اجتناب کرو۔ ظاہر میں جب یہ رنگ اختیار کرو گے تو باطن پر بھی اس کا اثر پڑے گا۔ اندر سے تمہارا دل بھی فقیر بنے گا، کبر و غرور نکلے گا، مسکینی اور امن پسندی پیدا ہوگی، دنیا اور اس کی لذّتوں میں پھنسنے سے جو کچھ آلائشیں تمہاری رُوح کو لگ گئی تھیں وہ صاف ہوں گی اور خدا پرستی کی کیفیّت تمہارے اوپر بھی طاری ہوگی اور اندر بھی۔

تلبیہ

احرام باندھنے کے ساتھ جو کلمات حاجی کی زبان سے نکلتے ہیں، جن کو وہ ہر نماز کے بعد، اور ہر بلندی پر چڑھتے وقت، اور ہر پستی کی طرف اُترتے وقت، اور ہر قافلے سے ملتے وقت اور ہر روز صبح نیند سے بیدار ہو کر بلند آواز سے پُکارتا ہے، وہ یہ ہیں:

لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ، لَبَّیکَ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ، لَاشَرِیکَ لَکَ.

"حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر

ہوں، یقیناً تعریف سب تیرے ہی لیے ہے۔ نعمت سب تیری ہے اور ساری بادشاہی
تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔"

یہ دراصل حج کی اُس ندائے عام کا جواب ہے جو ساڑھے چار ہزار برس سے پہلے حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کے حکم سے کی تھی۔ پینتالیس صدیاں گزر چکی ہیں جب پہلے پہل اللہ کے اُس منادی نے پکارا تھا کہ "اللہ کے بندو، اللہ کے گھر کی طرف آؤ، زمین کے ہر گوشے سے آؤ، خواہ پیدل آؤ خواہ سواریوں پر آؤ۔" جواب میں آج تک حرمِ پاک کا ہر مسافر بلند آواز سے کہہ رہا ہے "میں حاضر ہوں، میرے اللہ میں حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں صرف تیری طلبی پر حاضر ہوں، تعریف تیرے لیے ہے، نعمت تیری ہے، ملک تیرا ہے، کسی چیز میں تیرا کوئی شریک نہیں۔" اس طرح لبیک کی ہر صدا کے ساتھ حاجی کا تعلق سچی اور خالص خدا پرستی کی اُس تحریک سے جُڑ جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ کے وقت سے چلی آرہی ہے۔ ساڑھے چار ہزار برس کا فاصلہ بیچ میں سے ہٹ جاتا ہے۔ یوں معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا اُدھر اللہ کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ پکار رہے ہیں اور ادھر سے یہ جواب دے رہا ہے۔ جواب دیتا جاتا ہے اور بڑھتا جاتا ہے۔ جوں جوں آگے بڑھتا جاتا ہے شوق کی کیفیت اور زیادہ تیز ہوتی جاتی ہے۔ ہر چڑھاؤ اور اُتار پر اس کے کانوں میں اللہ کے منادی کی آواز گونجتی ہے اور یہ اُس پر لبیک کہتا ہوا آگے چلتا ہے۔ ہر قافلے اُسے وہیں کا پیامی معلوم ہوتا ہے اور ایک عاشق کی طرح یہ اُس کا پیام سُن کر پکارتا ہے "میں حاضر، میں حاضر"۔ ہر نئی صبح اس کے لیے گویا پیغامِ دوست لاتی ہے اور نور کے تڑکے میں آنکھ کھولتے ہی یہ "لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ" کی صدا لگانے لگتا ہے۔ غرض یہ بار بار کی صدا احرام کے اُس فقیرانہ لباس، سفر کی اُس حالت، اور منزل بمنزل کعبہ کے قریب تر ہوتے جانے کی اس کیفیت کے ساتھ مل کر کچھ ایسا سماں باندھ دیتی ہے کہ حاجی عشقِ الٰہی میں از خود رفتہ ہو جاتا ہے اور اس کے دل کی یہ حالت ہوتی ہے کہ بس ایک یادِ دوست کے سوا "آگ اس کے گھر میں لگی ایسی کہ جو تھا جل گیا۔"

طواف و زیارت

اس شان سے حاجی مکہ پہنچتا ہے اور جاتے ہی سیدھا اُس آستانے کا رُخ کرتا ہے جس کی طرف بُلایا گیا تھا۔ آستانِ دوست کو چُومتا ہے، پھر اپنے عقیدے، اپنے ایمان، اپنے

دین و مذہب کے اُس مرکز کے گرد چکّر لگاتا ہے اور ہر چکّر آستانہ بوسی سے شروع اور آستانہ بوسی ہی پر ختم کرتا جاتا ہے۔[1] اس کے بعد مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعتیں سلامی کی پڑھتا ہے، پھر وہاں سے نکل کر کوہِ صفا پر چڑھتا ہے اور وہاں سے جب کعبہ پر نظر پڑتی ہے تو پُکار اٹھتا ہے:

لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ○

"کوئی معبود نہیں اللہ کے سوا، کسی دوسرے کی ہم بندگی نہیں کرتے، ہماری اطاعت صرف اللہ کے لیے خاص ہے خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔"

سعی صفا و مروہ

پھر وہ صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتا ہے، گویا اپنی حالت سے اس بات کا ثبوت دے رہا ہے کہ یونہی اپنے مالک کی خدمت میں اور یونہی اس کی خوشنودی کی طلب میں ہمیشہ سعی کرتا رہے گا۔ اس سعی کے دوران میں کبھی اس کی زبان سے نکلتا ہے:

اَللّٰهُمَّ اسْتَعْمِلْنِیْ بِسُنَّةِ نَبِيِّکَ وَتَوَفَّنِیْ عَلٰی مِلَّتِهٖ وَاَعِذْنِیْ مِنْ مُضِلَّاتِ الْفِتَنِ.

"خدایا! مجھ سے کام لے اُسی طریقہ پر جو تیرے نبی کا طریقہ ہے، اور مجھے موت دے اسی راستہ پر جو تیرے نبی کا راستہ ہے، اور زندگی میں مجھے بچا ان فتنوں سے جو راہِ راست سے بھٹکانے والے ہیں۔"

اور کبھی کہتا ہے:

رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَتَجَاوَزْ عَمَّا تَعْلَمُ، اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعَزُّ الْاَکْرَمُ.

---

(۱) حجرِ اسود کے بوسے پر نادان لوگ اکثر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ بھی تو ایک طرح کی بُت پرستی ہے۔ حالانکہ دراصل یہ آستانہ بوسی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ خانۂ کعبہ کا طواف حجرِ اسود کے سامنے سے شروع کیا جاتا ہے اور سات طواف کرنے کے دوران میں ہر طواف کے خاتمے پر حجرِ اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے یا اس کی طرف اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ اس میں ذرّہ برابر بھی کوئی شائبہ اس کالے پتھر کی پرستش کا نہیں ہے۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول مشہور ہے کہ انہوں نے حجرِ اسود کو خطاب کر کے فرمایا تھا کہ "مَیں جانتا ہوں تو محض ایک پتھر ہے۔ اگر رسول اللہؐ نے تجھے نہ چوما ہوتا تو مَیں ہرگز تجھے نہ چومتا۔"

"پروردگار، معاف کر اور رحم کر، میرے جن قصوروں کو تو جانتا ہے اُن سے درگزر کر، تیری طاقت سب سے بڑھ کر ہے اور تیرا کرم بھی سب سے بڑھ کر۔"

وقوفِ منٰی، عرفات اور مُزدلفہ

اس کے بعد وہ گویا اللہ کا سپاہی بن جاتا ہے اور اب پانچ چھ روز اس کو کیمپ کی سی زندگی بسر کرنی ہوتی ہے۔ ایک دن منٰی میں پڑاؤ ہے، دوسرے دن عرفات میں کیمپ ہے اور خطبہ میں کمانڈر کی ہدایت سنی جا رہی ہیں، رات مُزدلفہ میں جا کر چھاؤنی ڈالی جاتی ہے۔

رَمیِ جِمار

دن نکلتا ہے تو منٰی کی طرف کوچ ہوتا ہے اور وہاں اُس ستون پر کنکریوں سے چاند ماری جاتی ہے جہاں تک اصحابِ فیل کی فوجیں کعبہ کو ڈھانے کے لیے پہنچ گئی تھیں۔ ہر کنکری مارنے کے ساتھ اللہ کا سپاہی کہتا جاتا ہے:

اَللّٰہُ اَکْبَرُ رَغْمًا لِلشَّیْطٰنِ وَحِزْبِہٖ

اور

اَللّٰھُمَّ تَصْدِیْقًا بِکِتَابِکَ وَاِتِّبَاعًا لِسُنَّۃِ نَبِیِّکَ۔

کنکریوں کی اس چاند ماری کا مطلب یہ ہے کہ خدایا جو تیرے دین کو مٹانے اور تیرا بول نیچا کرنے اُٹھے گا، میں اس کے مقابلے میں تیرا بول بالا کرنے کے لیے یوں لڑوں گا۔ پھر اسی جگہ قربانی کی جاتی ہے تاکہ راہِ خدا میں خون بہانے کی نیّت اور عزم کا اظہار عمل سے ہو جائے۔ پھر وہاں سے کعبہ کا رُخ کیا جاتا ہے، جیسے سپاہی اپنی ڈیوٹی ادا کر کے ہیڈ کوارٹر کی طرف سُرخ رُو واپس آ رہا ہے۔ طواف اور دو رکعتوں سے فارغ ہو کر احرام کھل جاتا ہے۔ جو کچھ حرام کیا گیا تھا وہ اب پھر حلال ہو جاتا ہے اور اب حاجی کی زندگی پھر معمولی طور پر شروع ہو جاتی ہے۔ اس معمولی زندگی کی طرف پلٹنے کے بعد حاجی منٰی میں جا کر پھر کیمپ کرتا ہے اور دوسرے دن پتھر کے اُن تین ستونوں پر باری باری کنکریوں سے پھر چاند ماری کرتا ہے جن کو جَمرات کہتے ہیں اور جو دراصل اُس ہاتھی والی فوج کی پسپائی اور تباہی کی یادگار ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کے سال عین حج کے موقع پر اللہ کے گھر کو ڈھانے آئی تھی اور جسے اللہ کے حکم سے آسمانی چڑیوں نے کنکریاں

مار مار کر تباہ کر دیا تھا(۱) تیسرے دن پھر ان ستونوں پر سنگ باری کرنے کے بعد حاجی مکہ پلٹتا ہے اور سات دفعے اپنے دین کے مرکز کا طواف کرتا ہے، یہ طوافِ وداع ہے اور اس سے فارغ ہونے کے معنی حج سے فارغ ہو جانے کے ہیں۔

حج کی برکات واثرات

یہ ساری تفصیل جو آپ نے سُنی اس سے آپ انداز ہ کر سکتے ہیں کہ حج کے ارادے اور اس کی تیاری سے لے کر اپنے گھر واپس آنے تک، دو تین مہینے کی مدّت میں، کتنے زبردست اثرات آدمی کے دل اور دماغ پر پڑتے ہیں۔ اس میں وقت کی قربانی ہے، مال کی قربانی ہے، آرام و آسائش کی قربانی ہے، بہت سے دنیوی تعلقات کی قربانی ہے، بہت سی نفسانی خواہشوں اور لذتوں کی قربانی ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کی خاطر ہے۔ کوئی ذاتی غرض اس میں شامل نہیں۔ پھر اس سفر میں پرہیز گاری و تقویٰ کے ساتھ مسلسل خدا کی یاد اور خدا کی طرف شوق و عشق کی جو کیفیت آدمی پر گُزرتی ہے وہ اپنا ایک مستقل نقش دل پر چھوڑ جاتی ہے جس کا اثر برسوں قائم رہتا ہے۔ پھر حرم کی سرزمین میں پہنچ کر قدم قدم پر انسان اُن لوگوں کے آثار دیکھتا ہے جنھوں نے اللہ کی بندگی و اطاعت میں اپنا سب کچھ قربان کیا۔ دنیا بھر سے لڑے، مصیبتیں اُٹھائیں، جلاوطن ہوئے، ظلم پر ظلم سہے، مگر بالآخر اللہ کا کلمہ بلند کر کے چھوڑا اور ہر اُس باطل قوت کا سر نیچا کر کے ہی دم لیا جو انسان سے اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی کرانا چاہتی تھی۔ ان آیات بیّنات اور ان آثارِ متبرّکہ کو دیکھ کر ایک خدا پرست آدمی عزم و ہمت اور جہاد فی سبیل اللہ کا جو سبق لے سکتا ہے، شاید کسی دوسری چیز سے نہیں لے سکتا۔ پھر طوافِ کعبہ سے اس مرکزِ دین کے ساتھ جو وابستگی ہوتی ہے اور مناسکِ حج میں دوڑ دھوپ، کوچ اور قیام سے مجاہدانہ زندگی کی جو مشق کرائی جاتی ہے اسے اگر آپ نماز اور روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر دیکھیں تو آپ کو معلوم ہو کہ یہ ساری چیزیں کسی بہت بڑے کام کی ٹریننگ ہیں جو اسلام مسلمانوں سے لینا چاہتا ہے۔ اسی لیے ہر اُس مسلمان پر جو کعبہ

---

(۱) عام طور پر مشہور یہ ہے کہ کنکریاں مارنے کا یہ فعل اُس واقعہ کی یادگار میں کیا جاتا ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو پیش آیا تھا۔ یعنی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی دیتے وقت شیطان نے آکر آپ کو بہکایا تھا اور آپ نے اسے کنکریاں ماری تھیں، یا جب حضرت اسمٰعیلؑ کے فدیہ میں مینڈھا آپ کو قربانی کے لیے دیا گیا تو وہ نکل کر بھاگا تھا اور اس کو آپ نے کنکریاں ماری تھیں۔ لیکن کسی صحیح حدیث میں نبی ﷺ سے یہ روایت نہیں ہے کہ رمی جمار کی علت یہ ہے۔

تک جانے آنے کی قدرت رکھتا ہو، حج لازم کر دیا گیا ہے تاکہ جہاں تک ممکن ہو ہر زمانے میں زیادہ سے زیادہ مسلمان ایسے موجود رہیں جو اس پوری ٹریننگ سے گزر چکے ہوں۔

حج ایک اجتماعی عبادت

لیکن حج کے فائدوں کا پورا اندازہ کرنے سے آپ قاصر رہیں گے جب تک یہ بات آپ کے پیشِ نظر نہ ہو کہ ایک ایک مسلمان اکیلا اکیلا حج نہیں کرتا ہے بلکہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک ہی زمانہ رکھا گیا ہے اور ہزاروں لاکھوں مسلمان مل کر ایک وقت میں حج ادا کرتے ہیں۔ پہلے جو کچھ میں نے بیان کیا ہے اس سے تو آپ کے سامنے صرف اتنی بات آئی ہے کہ فرداً فرداً ایک ایک حاجی پر اس عبادت کا کیا اثر ہوتا ہے۔ اب میں آئندہ خطبے میں آپ کو یہ بتاؤں گا کہ دنیا بھر کے مسلمانوں کے لیے حج کا ایک ہی وقت مقرر کر کے ان فائدوں کو کس طرح لاکھوں درجے بڑھا دیا گیا ہے۔ اسلام کا کمال یہی ہے کہ بیک کرشمہ دو کار نہیں بلکہ ہزار کار نکال لے جاتا ہے۔ نماز علیحدہ پڑھنے ہی میں کچھ کم فائدے نہ تھے مگر اس کے ساتھ جماعت کی شرط لگا کر، اور امامت کا قاعدہ مقرر کر کے، اور جمعہ وعیدین کی بڑی جماعتیں بنا کر اس کے فائدوں کو بے حد وحساب بڑھا دیا گیا۔ روزہ فرداً فرداً رکھنا بھی اصلاح اور تربیت کا بہت بڑا ذریعے تھا مگر سب مسلمانوں کے لیے رمضان کا ایک ہی مہینہ مقرر کر کے اس کے فائدے اتنے بڑھا دیے گئے کہ شمار میں نہیں آسکتے۔ زکوٰۃ الگ الگ دینے میں بھی بہت خوبیاں تھیں، مگر اس کے لیے بیت المال کا نظام مقرر کر کے اس کی منفعت اتنی زیادہ کر دی گئی کہ آپ اس کا اندازہ اس وقت تک کر ہی نہیں سکتے جب تک اسلامی حکومت قائم نہ ہو، اور آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں کہ تمام مسلمانوں کی زکوٰۃ ایک جگہ جمع کر کے ایک انتظام کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کرنے سے کتنی خیر و برکت ہوتی ہے۔ یہی معاملہ حج کا بھی ہے۔ اکیلا اکیلا آدمی حج کرے، تب بھی اس کی زندگی میں بہت بڑا انقلاب ہوسکتا ہے، مگر تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے ایک ہی وقت میں مل کر حج کرنے کا قاعدہ مقرر کر کے تو اس کے فائدوں کی کوئی حد باقی ہی نہیں رکھی گئی۔ یہ مضمون ذرا تفصیل چاہتا ہے، اس لیے ان شاءاللہ آئندہ خطبے میں اس کو مفصل بیان کروں گا۔

حج کا عالمگیر اجتماع

حج کے ثمرات

عالمِ اسلام میں حرکت

برادرانِ اسلام! آپ جانتے ہیں کہ ایسے مسلمان جن پر حج فرض ہے، یعنی جو کعبہ تک آنے جانے کی قدرت رکھتے ہیں، ایک دو تو ہوتے نہیں ہیں۔ ہر بستی میں ان کی اچھی خاصی تعداد ہوتی ہے۔ ہر شہر میں ہزاروں اور ہر ملک میں لاکھوں ہی ہوتے ہیں۔ اور ہر سال اُن میں سے بہت لوگ حج کا ارادہ کر کے نکلتے ہیں۔ اب ذرا تصوّر کیجیے کہ دنیا کے کونے کونے میں جہاں جہاں بھی مسلمان بستے ہیں، حج کا موسم آنے کے ساتھ ہی کس طرح اسلام کی زندگی جاگ اُٹھتی ہے، کیسی کچھ حرکت پیدا ہوتی ہے اور کتنی دیر تک رہتی ہے۔ تقریباً رمضان کے مہینے سے لے کر ذی القعدہ تک دنیا کے مختلف حصّوں سے مختلف لوگ حج کی تیاریاں کر کے نکلتے ہیں اور اُدھر ذی الحجہ کے آخر سے صفر، ربیع الاوّل بلکہ ربیع الثانی تک واپسیوں کا سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اس چھ سات مہینہ کی مدّت تک گویا مسلسل تمام رُوئے زمین کی مسلمان آبادیوں میں ایک طرح کی دینی حرکت جاری رہتی ہے۔ جو لوگ حج کو جاتے اور حج سے واپس آتے ہیں، وہ تو دینی کیفیّت میں سرشار ہوتے ہی ہیں، مگر جو نہیں جاتے ان کو بھی حاجیوں کے رخصت کرنے اور ایک ایک بستی سے ان کے گزرنے اور پھر واپسی پر اُن کا استقبال کرنے اور اُن سے حج کے حالات سُننے کی وجہ سے تھوڑا یا بہت اس کیفیّت کا کچھ نہ کچھ حصّہ مل ہی جاتا ہے۔

پرہیزگاری اور تقویٰ کی افزائش

جب ایک ایک حاجی حج کی نیّت کرتا ہے اور نیّت کے ساتھ ہی اس پر خوفِ خدا اور

پرہیزگاری اور توبہ واستغفار اور نیک اخلاق کے اثرات چھانے شروع ہوتے ہیں، اور وہ اپنے عزیزوں، دوستوں، معاملہ داروں اور ہر قسم کے متعلقین سے اس طرح رخصت ہونا اور اپنے معاملات صاف کرنا شروع کرتا ہے کہ گویا اب یہ وہ پہلا سا شخص نہیں ہے، بلکہ خدا کی طرف لَو لگ جانے کی وجہ سے اس کا دل پاک صاف ہو رہا ہے، تو اندازہ کیجیے کہ ایک حاجی کی اس حالت کا کتنے کتنے لوگوں پر اثر پڑتا ہوگا۔ اور اگر ہر سال دنیا کے مختلف حصّوں میں ایک لاکھ آدمی بھی اوسطاً اس طرح حج کے لیے تیار ہوتے ہوں تو ان کی تاثیر کتنے لاکھ آدمیوں کے اخلاق تک پہنچتی ہوگی۔ پھر حاجیوں کے قافلے جہاں جہاں سے گزرتے ہوں گے، وہاں ان کو دیکھ کر، ان سے مل کر، اُن کی لبیک لبیّک کی آوازیں سُن کر کتنوں کے دل گرماتے ہوں گے، کتنوں کی توجہ اللہ کی طرف اور اللہ کے گھر کی طرف پھر جاتی ہوگی، اور کتنوں کی سوئی ہوئی رُوح میں حج کے شوق سے حرکت پیدا ہو جاتی ہوگی۔ پھر جب یہ لوگ اپنے مرکز سے پھر کر اپنی اپنی بستیوں کی طرف دنیا کے مختلف حصّوں میں حج کی کیفیتوں کا خمار لیے ہوئے پلٹتے ہوں گے اور لوگ ان سے ملاقات کرتے ہوں گے تو ان کی زبانِ حال اور زبانِ قال سے اللہ کے گھر کا ذکر سُن کر کتنے بے شمار حلقوں میں دینی جذبات تازہ ہو جاتے ہوں گے۔

عالمِ اسلامی کی بیداری کا موسم

پس اگر مَیں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ جس طرح رمضان کا مہینہ تمام اسلامی دنیا میں تقویٰ کا موسم ہے، اسی طرح حج کا زمانہ تمام روئے زمین میں اسلام کی زندگی اور بیداری کا زمانہ ہے۔ اس طریقے سے شریعت بنانے والے حکیم و دانا نے ایسا بے نظیر انتظام کر دیا ہے کہ انشاء اللہ قیامت تک اسلام کی عالم گیر تحریک مٹ نہیں سکتی۔ دنیا کے حالات خواہ کتنے ہی بگڑ جائیں اور زمانہ کتنا ہی خراب ہو جائے، مگر یہ کعبے کا مرکز اسلامی دنیا کے جسم میں کچھ اس طرح رکھ دیا گیا ہے جیسے آدمی کے جسم میں دل ہوتا ہے۔ جب تک دل حرکت کرتا رہے، آدمی مر نہیں سکتا، چاہے بیماریوں کی وجہ سے وہ ہلنے تک کی طاقت نہ رکھتا ہو، بالکل اسی طرح دنیا کا یہ دل بھی ہر سال اُس کی دُور دراز رَگوں تک سے خون کھینچتا رہتا ہے اور پھر اس کو رگ رگ تک پھیلا دیتا ہے۔ جب تک اس دل کی یہ حرکت جاری ہے اور جب تک خون کے کھینچنے اور پھیلنے کا یہ سلسلہ چل رہا ہے،

اس وقت تک یہ بالکل محال ہے کہ اس جسم کی زندگی ختم ہو جائے، خواہ بیماریوں سے یہ کتنا ہی زار ونزار ہو۔

وحدتِ ملّت کا پُر کیف نظارہ

ذرا آنکھیں بند کر کے اپنے دل میں اس نقشے کا تصور تو کیجیے کہ اِدھر مشرق سے، اُدھر جنوب سے، اِدھر مغرب سے، اُدھر شمال سے اَن گنت قوموں اور بے شمار ملکوں کے لوگ ہزاروں راستوں سے ایک ہی مرکز کی طرف چلے آ رہے ہیں۔ شکلیں اور صورتیں مختلف ہیں، رنگ مختلف ہیں، زبانیں مختلف ہیں، مگر مرکز کے قریب ایک خاص حد پر پہنچتے ہی سب اپنے اپنے قومی لباس اُتار دیتے ہیں، اور سارے کے سارے ایک ہی طرز کا سادہ یونیفارم پہن لیتے ہیں۔ احرام کا یہ یونیفارم پہننے کے بعد علانیہ یہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ سلطانِ عالم اور بادشاہِ زمین و آسمان کی یہ فوج، جو دنیا کی ہزاروں قوموں سے بھرتی ہو کر آ رہی ہے، ایک ہی بادشاہ کی فوج ہے، ایک ہی اطاعت و بندگی کا نشان ان سب پر لگا ہوا ہے، ایک ہی وفاداری کے رشتے میں یہ سب بندھے ہوئے ہیں، اور ایک ہی دارالسلطنت کی طرف اپنے بادشاہ کے ملاحظے میں پیش ہونے کے لیے جا رہے ہیں۔ یہ یونیفارم پہنے ہوئے سپاہی جب میقات سے آگے چلتے ہیں تو ان سب کی زبانوں سے وہی ایک نعرہ بلند ہوتا ہے:

لَبَّیْکَ، اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ، لَاشَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ.

بولنے کی زبانیں سب کی مختلف ہیں، مگر نعرہ سب کا ایک ہی ہے۔ پھر جوں جوں مرکز قریب آتا جاتا ہے، دائرہ سمٹ کر چھوٹا ہوتا چلا جاتا ہے۔ مختلف ملکوں کے قافلے ملتے چلے جاتے ہیں، اور سب کے سب مل کر نمازیں ایک ہی طرز پر پڑھتے ہیں۔ سب کا ایک یونیفارم، سب کا ایک امام، سب کی ایک ہی حرکت، سب کی ایک ہی زبان، سب ایک اللہ اکبر کے ہی اشارے پر اُٹھتے اور بیٹھتے اور رکوع اور سجدے کرتے ہیں، اور سب اسی ایک قرآنِ عربی کو پڑھتے اور سنتے ہیں۔ یوں زبانوں اور قومیتوں اور وطنوں اور نسلوں کا اختلاف ٹوٹتا ہے اور یوں خدا پرستوں کی ایک عالمگیر جماعت بنتی ہے۔ پھر جب یہ قافلے یک زبان ہو کر لبّیک لبّیک کے نعرے بلند کرتے ہوئے چلتے ہیں، جب ہر بلندی اور ہر پستی پر یہی نعرے لگتے ہیں، جب قافلوں کے ایک

دوسرے سے ملنے کے وقت دونوں طرف سے یہی صدائیں اٹھتی ہیں۔ جب نمازوں کے وقت اور صبح کے تڑکے میں یہی آوازیں گونجتی ہیں تو ایک عجیب فضا پیدا ہو جاتی ہے، جس کے نشے میں آدمی سرشار ہو کر اپنی خودی کو بھول جاتا ہے اور اس لبیک کی کیفیت میں جذب ہو کر رہ جاتا ہے۔ پھر کعبے پہنچ کر تمام دنیا سے آئے ہوئے آدمیوں کا ایک لباس میں ایک مرکز کے گرد گھومنا، پھر سب کا ایک ساتھ صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا، پھر سب کا منیٰ میں کیمپ لگانا، پھر سب کا عرفات کی طرف کوچ کرنا اور وہاں ایک امام سے خطبہ سننا، پھر سب کا مُزدلفہ میں رات کو چھاؤنی ڈالنا، پھر سب کا ایک ساتھ منیٰ کی طرف پلٹنا، پھر سب کا متفق ہو کر جمرۂ عقبہ پر کنکریوں کی چاند ماری کرنا، پھر سب کا قربانیاں کرنا، پھر سب کا ایک ساتھ کعبے کی طرف پلٹ کر طواف کرنا، پھر سب کا ایک ہی مرکز کے اِردگرد نماز پڑھنا، یہ اپنے اندر وہ کیفیت رکھتا ہے جس کی نظیر دنیا میں ناپید ہے۔

ایک مقصد، ایک مرکز پر اجتماع

دنیا بھر کی قوموں سے نکلے ہوئے لوگوں کا ایک مرکز پر اجتماع، اور وہ بھی ایسی یک دلی و یک جہتی کے ساتھ، ایسی ہم خیالی و ہم آہنگی کے ساتھ، ایسے پاک جذبات پاک مقاصد اور پاک اعمال کے ساتھ، حقیقت میں اتنی بڑی نعمت ہے جو آدم کی اولاد کو اسلام کے سوا کسی نے نہیں دی۔ دنیا کی قومیں ہمیشہ ایک دوسرے سے ملتی رہی ہیں، مگر کس طرح؟ میدانِ جنگ میں گلے کاٹنے کے لیے، یا صلح کانفرنسوں میں، ملکوں کی تقسیم اور قوموں کے بٹوارے کے لیے، یا مجلسِ اقوامِ متحدہ میں، تاکہ ہر قوم دوسری قوم کے خلاف دھوکے، فریب، سازش اور بے ایمانیوں کے جال پھیلائے اور دوسروں کے نقصان سے اپنا فائدہ حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ تمام قوموں کے عام لوگوں کا صاف دلی کے ساتھ ملنا، نیک اخلاق اور پاک خیالات کے ساتھ ملنا، محبت اور خلوص کے ساتھ ملنا، قلبی و روحانی اتحاد کے ساتھ ملنا، خیالات، اعمال، اور مقاصد کی یک جہتی کے ساتھ ملنا، اور صرف ایک ہی دفعہ مل کر نہ رہ جانا، بلکہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہر سال ایک مرکز پر اسی طرح اکٹھے ہوتے رہنا، کیا یہ نعمت اسلام کے سوا بنی نوع انسان کو اور بھی کہیں ملتی ہے؟ دنیا میں امن قائم کرنے، قوموں کی دشمنیوں کو مٹانے اور لڑائی جھگڑوں کے بجائے محبت، دوستی اور برادری کی فضا پیدا کرنے کے لیے اس سے بہتر نسخہ کس نے تجویز کیا ہے؟

قیامِ امن کی سب سے بڑی تحریک

اسلام صرف اتنا ہی نہیں کرتا۔ اس سے بڑھ کر یہاں اور بہت کچھ ہے۔

اس نے لازم کیا ہے کہ سال کے چار مہینے جو حج اور عمرہ کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، ان میں کوشش کی جائے کہ کعبے کی طرف آنے والے تمام راستوں میں امن قائم رہے۔ یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی سب سے بڑی دوامی تحریک ہے۔ اور اگر دنیا کی سیاست کی باگیں اسلام کے ہاتھ میں ہوں تو مسلمانوں کی پوری کوشش یہ ہوگی کہ دنیا میں ایسی بدامنی برپا نہ ہونے پائے، جس سے حج اور عمرے کا نظام معطّل ہو جائے۔

دنیا میں واحد مرکزِ امن

اس نے دنیا کو ایک ایسا حرم دیا ہے جو قیامت تک کے لیے امن کا شہر ہے جس میں آدمی تو کیا جانور تک کا شکار نہیں کیا جاسکتا، جس میں گھاس تک کاٹنے کی اجازت نہیں، جس کی زمین کا کانٹا تک نہیں توڑا جاسکتا، جس میں حکم ہے کہ کسی کی کوئی چیز گری پڑی ہو تو اسے ہاتھ تک نہ لگاؤ۔

اس نے دنیا کو ایک ایسا شہر دیا ہے، جس میں ہتھیار لانے کی ممانعت ہے، جس میں غلّے کو اور دوسری عام ضرورت کی چیزوں کو روک کر مہنگا کرنا "الحاد" کی حد تک پہنچ جاتا ہے، جس میں ظلم کرنے والے کو اللہ نے دھمکی دی ہے کہ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ "ہم اُسے دردناک سزا دیں گے۔"

حقیقی مساوات کا مرکز

اُس نے دنیا کو ایک ایسا مرکز دیا ہے جس کی تعریف یہ ہے کہ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ط (الحج: ۲۵) یعنی وہاں اُن تمام انسانوں کے حقوق بالکل برابر ہیں جو خدا کی بادشاہی اور محمد ﷺ کی رہنمائی تسلیم کر کے اسلام کی برادری میں داخل ہو جائیں، خواہ کوئی شخص امریکہ کا رہنے والا ہو یا افریقہ کا، چین کا ہو یا ہندوستان کا، اگر وہ مسلمان ہو جائے تو مکّہ کی زمین پر اُس کے وہی حقوق ہیں جو خود مکّہ والوں کے ہیں۔ پورے حرم کے علاقے کی حیثیت گویا مسجد کی سی حیثیت ہے کہ جو شخص مسجد میں جا کر کسی جگہ اپنا ڈیرہ جما دے وہ جگہ اسی کی ہے، کوئی اس کو وہاں سے اُٹھا نہیں سکتا، نہ اس سے کرایہ مانگ سکتا ہے۔ مگر وہ اُس جگہ خواہ تمام عمر بیٹھا رہا ہو اسے یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ یہ جگہ میری مِلک ہے، نہ وہ اس کو بیچ سکتا ہے، نہ اس کا کرایہ وصول کر سکتا

ہے، حتیٰ کہ جب وہ شخص اُس جگہ سے اُٹھ جائے تو دوسرے کو بھی وہاں ڈیرہ جمانے کا ویسا ہی حق ہے جیسا اُس کو تھا۔ بالکل یہی حال پورے مکّہ کے حرم کا ہے۔

نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

مَكَّةُ مُنَاخٌ لِمَنْ سَبَقَ، یعنی ''جو شخص اس شہر میں کسی جگہ آ کر پہلے اُتر جائے وہ جگہ اُسی کی ہے۔''

وہاں کے مکانوں کا کرایہ لینا جائز نہیں ہے۔

حضرت عمرؓ نے وہاں کے لوگوں کو حکم دے دیا تھا کہ اپنے مکانات کے گرد صحنوں پر دروازے نہ لگاؤ، تاکہ جو چاہے تمہارے صحن میں آ کر ٹھیر سکے۔ بعض فقہاء نے تو یہاں تک کہا ہے کہ شہر مکّہ کے مکانات پر نہ کسی کی ملکیت ہے اور نہ وہ وراثت میں منتقل ہو سکتے ہیں۔

کیا اسلام کے سوا یہ نعمتیں انسان کو کہیں اور بھی مل سکتی ہیں؟

بھائیو! یہ ہے وہ حج جس کے متعلق فرمایا گیا تھا کہ اسے کر کے دیکھو، اِس میں تمہارے لیے کتنے منافع ہیں۔ میری زبان میں اتنی قدرت نہیں کہ اس کے سارے منافع گنا سکوں، تاہم اس کے فائدوں کا یہ ذرا سا خاکہ جو مَیں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے اسی سے آپ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔

ہماری قدر ناشناسی

مگر یہ سب کچھ سننے کے بعد ذرا میرے جلے دل کی کچھ باتیں بھی سُن لو! تم نسلی مسلمانوں کا حال اُس بچے کا سا ہے جو ہیرے کی کان میں پیدا ہوا ہے۔ ایسا بچہ جب ہر طرف ہیرے ہی ہیرے دیکھتا ہے اور پتھروں کی طرح ہیروں سے کھیلتا ہے تو ہیرے اس کی نگاہ میں ایسے ہی بے قدر ہو جاتے ہیں جیسے پتھر۔ یہی حالت تمہاری بھی ہے کہ دنیا جن نعمتوں سے محروم ہے، جن سے محروم ہو کر سخت مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھا رہی ہے اور جن کی تلاش میں حیران و سرگرداں ہے، وہ نعمتیں تم کو مفت میں بغیر کسی تلاش و جستجو کے صرف اس وجہ سے مل گئیں کہ خوش قسمتی سے تم مسلمان گھروں میں پیدا ہوئے ہو۔ وہ کلمۂ توحید جو انسان کی زندگی کے تمام پیچیدہ مسئلوں کو سُلجھا کر ایک صاف سیدھا راستہ بنا دیتا ہے، بچپن سے تمہارے کانوں میں پڑا۔ نماز اور روزے کے وہ کیمیا سے زیادہ قیمتی نسخے جو آدمی کو جانور سے انسان بناتے ہیں، اور انسانوں کو خدا ترس اور ایک

دوسرے کا بھائی، ہمدرد اور دوست بنانے کے لیے جن سے بہتر نسخے آج تک دریافت نہیں ہوسکے ہیں، تم کو آنکھ کھولتے ہی خود بخود باپ دادا کی میراث میں مل گئے۔ زکوٰۃ کی وہ بے نظیر ترکیب جس سے محض دلوں ہی کی ناپاکی دُور نہیں ہوتی، بلکہ دنیا کے مالیات کا نظام بھی دُرست ہوجاتا ہے جس سے محروم ہوکر تم خود اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو کہ دنیا کے لوگ ایک دوسرے کا منہ نوچنے لگے ہیں، تمہیں وہ اس طرح مل گئی ہے جیسے کسی حکیم حاذق کے بچّے کو بغیر محنت کے وہ نسخے مل جاتے ہیں جنہیں دوسرے لوگ ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ اسی طرح حج کا وہ عظیم الشان طریقہ بھی جس کا اثر دنیا بھر میں کہیں جواب نہیں ہے، جس سے زیادہ طاقتور ذریعے کسی تحریک کو چاردانگِ عالم میں پھیلانے اور ابدالآباد تک زندہ رکھنے کے لیے آج تک دریافت نہیں ہوسکا ہے، جس کے سوا آج دنیا میں کوئی عالم گیر طاقت ایسی موجود نہیں ہے کہ آدم کی ساری اولاد کو زمین کے گوشے گوشے سے کھینچ کر خدائے واحد کے نام پر ایک مرکز پر جمع کردے، اور بے شمار نسلوں اور قوموں کو ایک خدا پرست، نیک نیّت، خیر خواہ برادری میں پیوست کرکے رَکھ دے، ہاں ایسا بے نظیر طریقے بھی تمہیں بغیر کسی جستجو کے بنا بنایا اور صدہا برس سے چلتا ہوا مل گیا۔ مگر تم نے اِن نعمتوں کی کوئی قدر نہ کی، کیونکہ آنکھ کھولتے ہی یہ تم کو اپنے گھر میں ہاتھ آگئیں۔ اب تم اُن سے بالکل اسی طرح کھیل رہے ہو جس طرح ہیرے کی کان میں پیدا ہونے والا نادان بچہ ہیروں سے کھیلتا ہے اور انہیں کنکر پتھر سمجھنے لگتا ہے۔ اپنی جہالت اور نادانی کی وجہ سے بُری طرح تم اس زبردست دولت اور طاقت کو ضائع کررہے ہو اس کا نظارہ دیکھ کر دل جل اُٹھتا ہے۔ کوئی کہاں سے اتنی قوتِ برداشت لائے کہ پتھر پھوڑوں کے ہاتھوں جواہرات کو برباد ہوتے دیکھ کر ضبط کرسکے؟

میرے عزیزو! تم نے شاعر کا یہ شعر تو سُنا ہی ہوگا کہ:

خرِ عیسیٰ اگر بمکّہ رَود چوں بیاید ہنوز خر باشد

یعنی گدھا خواہ عیسیٰ علیہ السّلام جیسے پیغمبر ہی کا کیوں نہ ہو مکّہ کی زیارت سے کوئی فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اگر وہ وہاں ہو آئے تب بھی جیسا گدھا تھا ویسا ہی رہے گا۔

نماز روزہ ہو یا حج، یہ سب چیزیں سمجھ بوجھ رکھنے والے انسانوں کی تربیت کے لیے ہیں، جانوروں کو سدھانے کے لیے نہیں ہیں۔ جو لوگ نہ ان کے معنی و مطلب کو سمجھیں، نہ ان کے مدّعا سے کچھ غرض رکھیں، نہ اُس فائدے کو حاصل کرنے کا ارادہ ہی کریں جو اِن عبادتوں میں بھرا

ہوا ہے بلکہ جن کے دماغ میں اِن عبادتوں کے مقصد و مطلب کا سرے سے کوئی تصوّر ہی نہ ہو، وہ اگر اِن افعال کی نقل اِس طرح اُتار دیا کریں کہ جیسا اگلوں کو کرتے دیکھا ویسا ہی خود بھی کر دیا، تو اس سے آخر کس نتیجے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بدقسمتی سے عموماً آج کل کے مسلمان اسی طریقے سے ان افعال کو ادا کر رہے ہیں۔ ہر عبادت کی ظاہری شکل جیسی مقرر کر دی گئی ہے ویسی ہی بنا کر رکھ دیتے ہیں، مگر وہ شکل رُوح سے بالکل خالی ہوتی ہے۔ تم دیکھتے ہو کہ ہر سال ہزار ہا زائرین مرکزِ اسلام کی طرف جاتے ہیں اور حج سے مشرّف ہو کر پلٹتے ہیں، مگر نہ جاتے وقت ہی ان پر وہ اصلی کیفیت طاری ہوتی ہے جو ایک مسافرِ حرم میں ہونی چاہیے، نہ وہاں سے واپس آ کر ہی اُن میں کوئی اثرِ حج کا پایا جاتا ہے، اور نہ اس سفر کے دوران میں وہ ان آبادیوں کے مسلمانوں اور غیر مسلموں پر اپنے اخلاق کا کوئی اچھا نقش بٹھاتے ہیں جن پر سے اُن کا گُزر ہوتا ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اُن میں زیادہ تر وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو اپنی گندگی، بے تمیزی اور اخلاقی پستی کی نمایش کر کے اسلام کی عزّت کو بٹہ لگاتے ہیں۔ ان کی زندگی کو دیکھ کر بجائے اس کے کہ دین کی بزرگی کا سکّہ غیروں پر جمے، خود اپنوں کی نگاہوں میں بھی وہ بے وقعت ہو جاتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ آج خود ہماری اپنی قوم کے بہت سے نوجوان ہم سے پوچھتے ہیں کہ ذرا اِس حج کا فائدہ تو ہمیں سمجھاؤ۔ حالانکہ یہ حج وہ چیز تھی کہ اگر اسے اس کی اصلی شان کے ساتھ ادا کیا جاتا تو کافر تک اس کے فائدوں کو علانیہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کسی تحریک کے ہزاروں لاکھوں ممبر ہر سال دنیا کے ہر حصے سے کھنچ کر ایک جگہ جمع ہوں اور پھر اپنے اپنے ملکوں کو واپس جائیں، ملک ملک اور شہر شہر سے گزرتے ہوئے اپنی پاکیزہ زندگی، پاکیزہ خیالات اور پاکیزہ اخلاق کا اظہار کرتے جائیں، جہاں جہاں ٹھیریں اور جہاں سے گزریں وہاں اپنی تحریک کے اُصولوں کا نہ صرف زبان سے پرچار کریں بلکہ اپنی عملی زندگی سے ان کا پورا پورا مظاہرہ بھی کر دیں، اور یہ سلسلہ دس بیس برس نہیں بلکہ صدیوں تک سال بہ سال چلتا رہے، بھلا غور تو کیجیے کہ یہ بھی کوئی ایسی چیز تھی کہ اس کے فائدے پوچھنے کی کسی کو ضرورت پیش آتی؟ خدا کی قسم، اگر یہ کام صحیح طریقہ پر ہوتا تو اندھے اس کے فائدے دیکھتے اور بہرے اُس کے فائدے سُن لیتے۔ ہر سال کا حج کروڑوں مسلمانوں کو نیک بناتا۔ ہزاروں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں کھینچ لاتا، اور لاکھوں غیر مسلموں کے دلوں پر اسلام کی بزرگی کا سکّہ بٹھا دیتا۔ مگر بُرا ہو جہالت کا، جاہلوں کے ہاتھ پڑ کر کتنی بیش قیمت چیز کس بُری طرح ضائع ہو رہی ہے۔

حج سے پورے فائدے حاصل کرنے کے طریقے

حج کے پورے فائدے حاصل ہونے کے لیے ضروری تھا کہ مرکزِ اسلام میں کوئی ایسا ہاتھ ہوتا جو اس عالم گیر طاقت سے کام لیتا، کوئی ایسا دل ہوتا جو ہر سال تمام دنیا کے جسم میں خونِ صالح دوڑاتا رہتا، کوئی ایسا دماغ ہوتا جو ان ہزاروں، لاکھوں خداداد قاصدوں کے واسطے سے دنیا بھر میں اسلام کے پیغام کو پھیلانے کی کوشش کرتا۔ اور کچھ نہیں تو کم از کم اتنا ہی ہوتا کہ وہاں خالص اسلامی زندگی کا ایک مکمل نمونہ موجود ہوتا اور ہر سال دنیا کے مسلمان وہاں سے صحیح دینداری کا تازہ سبق لے لے کر پلٹتے۔ مگر وائے افسوس کہ وہاں کچھ بھی نہیں۔ مدت ہائے دراز سے عرب میں جہالت پرورش پا رہی ہے۔ عباسیوں کے دَور سے لے کر عثمانیوں کے دَور تک ہر زمانے کے بادشاہ اپنی سیاسی اغراض کی خاطر عرب کو ترقی دینے کے بجائے صدیوں سے پیہم گرانے کی کوشش کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اہلِ عرب کو علم، اخلاق، تمدن، ہر چیز کے اعتبار سے پستی کی انتہا تک پہنچا کر چھوڑا ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ سرزمین جہاں سے کبھی اسلام کا نور تمام عالم میں پھیلا تھا، آج اُسی جاہلیت کے قریب پہنچ گئی ہے جس میں وہ اسلام سے پہلے مبتلا تھی۔ اب نہ وہاں اسلام کا علم ہے، نہ اسلامی اخلاق ہیں، نہ اسلامی زندگی ہے۔ لوگ دُور دُور سے بڑی گہری عقیدتیں لیے ہوئے حرم پاک کا سفر کرتے ہیں، مگر اس علاقے میں پہنچ کر جب ہر طرف ان کو جہالت، گندگی، طمع، بے حیائی، دنیا پرستی، بداخلاقی، بدانتظامی اور عام باشندوں کی ہر طرح گری ہوئی حالت نظر آتی ہے تو ان کی توقعات کا سارا طلسم پاش پاش ہو کر رہ جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بہت سے لوگ حج کر کے اپنا ایمان بڑھانے کے بجائے اور اُلٹا کچھ کھو آتے ہیں۔ وہی پرانی مہنت گری جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے بعد جاہلیت کے زمانے میں کعبہ پر مسلط ہو گئی تھی اور جسے رسول اللہ ﷺ نے آ کر ختم کیا تھا، اب پھر تازہ ہو گئی ہے۔ حرمِ کعبہ کے منتظم پھر اسی طرح مہنت بن کر بیٹھ گئے ہیں۔ خدا کا گھر ان کے لیے جایداد اور حج ان کے لیے تجارت بن گیا ہے۔ حج کرنے والوں کو وہ اپنا اسامی سمجھتے ہیں۔ مختلف ملکوں میں بڑی بڑی تنخواہیں پانے والے ایجنٹ مقرر ہیں تاکہ اسامیوں کو گھیر گھیر کر بھیجیں۔ ہر سال اجمیر کے خادموں کی طرح ایک لشکر کا لشکر دلالوں اور سفری ایجنٹوں کا مکہ سے نکلتا ہے تاکہ دنیا بھر کے ملکوں سے اسامیوں کو گھیر

لائے۔ قرآن کی آیتیں اور حدیث کے احکام لوگوں کو سُنا سُنا کر حج پر آمادہ کیا جاتا ہے، نہ اس لیے کہ انہیں خدا کا عاید کیا ہوا فرض یاد دلایا جائے، بلکہ صرف اس لیے کہ ان احکام کو سُن کر یہ لوگ حج کو نکلیں تو آمدنی کا دروازہ کھلے۔ گویا اللہ اور اس کے رسولؐ نے یہ سارا کاروبار انہی مہنتوں اور ان کے دلالوں کی پرورش کے لیے پھیلایا تھا۔ پھر جب اس فرض کو ادا کرنے کے لیے آدمی گھر سے نکلتا ہے تو سفر شروع کرنے سے لے کر واپسی تک ہر جگہ اس کو مذہبی مزدوروں اور دینی تاجروں سے سابقہ پیش آتا ہے۔ معلّم، مطوّف، وکیلِ مطوّف، کلید بردارِ کعبہ اور خود حکومتِ حجاز، سب اس تجارت میں حصے دار ہیں۔ حج کے سارے مناسک معاوضے لے کر ادا کرائے جاتے ہیں۔ ایک مسلمان کے لیے خانہ کعبہ کا دروازہ تک فیس کے بغیر نہیں کھل سکتا۔ نعوذباللہ من ذالک۔ یہ بنارس اور ہردوار کے پنڈتوں کی سی حالت اُس دین کے نام نہاد خدمت گزاروں اور مرکزی عبادت گاہ کے مجاوروں نے اختیار کر رکھی ہے جس نے مہنت گری کے کاروبار کی جڑ کاٹ دی تھی۔ بھلا جہاں عبادت کرانے کا کام مزدوری اور تجارت بن گیا ہو، جہاں عبادت گاہوں کو ذریعۂ آمدنی بنالیا گیا ہو، جہاں احکام الٰہی کو اس غرض کے لیے استعمال کیا جاتا ہو کہ خدا کا حکم سُن کر لوگ فرض بجالانے کے لیے مجبور ہوں اور اس طاقت کے بل پر اُن کی جیبوں سے روپے گھسیٹا جائے، جہاں آدمی کو عبادت کا ہر رُکن ادا کرنے کے لیے معاوضے دینا پڑتا ہو اور دینی سعادت ایک طرح سے خرید و فروخت کی جنس بن گئی ہو، ایسی جگہ عبادت کی رُوح باقی کہاں رہ سکتی ہے؟ کس طرح آپ امید کر سکتے ہیں کہ حج کرنے والوں اور حج کرانے والوں کو اس عبادت کے حقیقی و رُوحانی فائدے حاصل ہوں گے جبکہ یہ سارا کام سوداگری اور دوسری طرف خریداری کی ذہنیت سے ہو رہا ہے۔ (۱)

---

(۱) واضح رہے کہ یہ خطبہ ۱۹۳۸ء کا ہے۔ اس کے بعد سے اب تک حالات کی بہت کچھ اصلاح ہو چکی ہے اور سعودی عرب کی حکومت مزید اصلاح کے لیے کوشاں ہے۔ عرب میں تعلیم بھی پھیلائی جا رہی ہے۔ ریاض، مکّہ، جدّہ، وغیرہ شہروں میں شریعت کی تعلیم کے لیے اعلیٰ درجے کے ادارے قائم کیے گئے ہیں۔ مدینہ طیّبہ میں ایک جامعہ اسلامیہ نے بڑے پیمانے پر کام شروع کر دیا ہے۔ مکّہ معظمہ میں رابطۂ عالم اسلامی کے نام سے عالمِ اسلامی کی ایک بین الاقوامی تنظیم قائم کی گئی ہے جو پوری کوشش کر رہی ہے کہ حج کے اجتماع سے فائدہ اٹھا کر تمام مسلمان قوموں میں دینی رُوح پیدا کی جائے۔ ان پہلوؤں سے حالات بڑی حد تک قابلِ اطمینان ہیں۔ اب دو امور کی طرف خاص توجہ کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ حرمین شریفین کی سرزمین کو مغربی تہذیب کے سیلاب سے بچایا جائے۔ دوسرے یہ کہ معلّمین کے طریق کار کی اصلاح کی جائے۔ خدا کرے کہ سعودی حکومت اس سلسلے میں صحیح تدابیر عمل میں لائے۔

اس ذکر سے میرا مقصد کسی کو الزام دینا نہیں ہے، بلکہ صرف آپ لوگوں کو یہ بتانا ہے کہ حج جیسی عظیم الشان طاقت کو آج کن چیزوں نے قریب قریب بالکل بے اثر بنا کر رکھ دیا ہے۔ یہ غلط فہمی کسی کے دل میں نہ رہنی چاہیے کہ اسلام میں اور اس کے جاری کیے ہوئے طریقوں میں کوئی کوتاہی ہے۔ نہیں کوتاہی دراصل اُن لوگوں میں ہے جو اسلام کی صحیح پیروی نہیں کرتے۔ یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کی کمائی ہے کہ جو طریقے تم کو انسانیت کا مکمل نمونہ بنانے والے تھے اور جن پر ٹھیک ٹھیک عمل کر کے تم تمام دنیا کے مُصلح اور امام بن سکتے تھے، ان سے آج کوئی اچھا پھل ظاہر نہیں ہو رہا ہے، اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ لوگوں کو خود ان طریقوں کے مفید ہونے میں شک ہونے لگا ہے۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے ایک طبیب حاذق چند بہترین تیر بہدف نسخے مرتب کر کے چھوڑ گیا ہو اور بعد میں اس کے وہ نسخے اناڑی اور جاہل جانشینوں کے ہاتھ پڑ کر بیکار بھی ہو رہے ہوں اور بدنام بھی۔ نسخہ بجائے خود چاہے کتنا ہی صحیح ہو، مگر بہر حال اس سے کام لینے کے لیے فن کی واقفیت اور سمجھ بوجھ ضروری ہے۔ اناڑی اس سے کام لیں گے تو عجب نہیں کہ وہ غیر مفید ہی نہیں بلکہ مضر ہو جائے اور جاہل لوگ جو خود نسخے کو جانچنے کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں اس غلط فہمی میں پڑ جائیں کہ نسخہ خود ہی غلط ہے۔

●●●

جہاد

برادرانِ اسلام! پچھلے خطبوں میں بار بار مَیں نے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ نماز، روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ جنہیں اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرض کیا ہے، اور اسلام کا رُکن قرار دیا ہے، یہ ساری چیزیں دوسرے مذہبوں کی عبادات کی طرح پوجا پاٹ اور نذر و نیاز اور جاترا کی رسمیں نہیں ہیں کہ بس آپ ان کو ادا کر دیں اور اللہ تعالیٰ آپ سے خوش ہو جائے۔ بلکہ دراصل یہ ایک بڑے مقصد کے لیے آپ کو تیار کرنے اور ایک بڑے کام کے لیے آپ کی تربیت کرنے کی خاطر فرض کی گئی ہیں۔ اب چونکہ مَیں اس تربیت اور اس تیاری کے ڈھنگ کو کافی تفصیل کے ساتھ بیان کر چکا ہوں، اس لیے وقت آ گیا ہے کہ آپ کو یہ بتایا جائے کہ وہ مقصد کیا ہے جس کے لیے یہ ساری تیاری ہے۔

اسلام کا مقصودِ حقیقی

مختصر الفاظ میں تو صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ وہ مقصد انسان پر سے انسان کی حکومت مٹا کر خدائے واحد کی حکومت قائم کرنا ہے اور اس مقصد کے لیے سر دھڑ کی بازی لگا دینے اور جان توڑ کوشش کرنے کا نام جہاد ہے، اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ سب کے سب اسی کام کی تیاری کے لیے ہیں۔ لیکن چونکہ آپ لوگ مدّت ہائے دراز سے اس مقصد کو اور اس کام کو بھول چکے ہیں اور ساری عبادتیں آپ کے لیے محض تصوّف بن کر رہ گئی ہیں، اس لیے مَیں سمجھتا ہوں کہ اس ذرا سے فقرے میں جو مطلب مَیں نے ادا کیا ہے اُسے آپ ایک معمّے سے زیادہ کچھ نہ سمجھے ہوں گے۔ اچھا تو آیئے اب مَیں آپ کے سامنے اس مقصد کی تشریح کروں۔

خرابیوں کی اصل جڑ ـــــ حکومت کی خرابی

دنیا میں آپ جتنی خرابیاں دیکھتے ہیں اُن سب کی جڑ بہت حد تک حکومت کی خرابی ہے طاقت اور دولت حکومت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ قانون حکومت بناتی ہے۔ انتظام کے سارے اختیارات حکومت کے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ پولس اور فوج کا زور حکومت کے پاس ہوتا ہے۔ لہٰذا جو خرابی بھی لوگوں کی زندگی میں پھیلتی ہے وہ یا تو خود حکومت کی پھیلائی ہوئی ہوتی ہے یا اس کی مدد سے پھیلتی ہے۔ کیونکہ کسی چیز کو پھیلنے کے لیے جس طاقت کی ضرورت ہوتی ہے وہ حکومت ہی کے پاس ہے۔ مثال کے طور پر آپ دیکھتے ہیں کہ زنا دھڑلّے سے ہو رہا ہے اور علانیہ کوٹھوں پر یہ کاروبار جاری ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ حکومت کے اختیارات جن لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اُن کی نگاہ میں زنا کوئی جرم نہیں ہے۔ وہ خود اس کام کو کرتے ہیں اور دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ ورنہ وہ اسے بند کرنا چاہیں تو یہ کام اس دھڑلّے سے نہیں چل سکتا۔ آپ دیکھتے ہیں کہ سُود خواری کا بازار خوب گرم ہو رہا ہے اور مالدار لوگ غریبوں کا خون چُو سے چلے جاتے ہیں۔ یہ کیوں؟ صرف اس لیے کہ حکومت خود سُود کھاتی ہے اور کھانے والوں کو مدد دیتی ہے۔ اس کی عدالتیں سُود خواروں کو ڈگریاں دیتی ہیں اور اس کی حمایت ہی کے بل پر یہ بڑے بڑے ساہوکارے اور بینک چل رہے ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ لوگوں میں بے حیائی اور بد اخلاقی روز بروز بڑھتی چلی جارہی ہے۔ یہ کس لیے؟ محض اس لیے کہ حکومت نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا ایسا ہی انتظام کیا ہے اور اس کو اخلاق اور انسانیت کے وہی نمونے پسند ہیں جو آپ کو نظر آ رہے ہیں۔ کسی دوسرے طرز کی تعلیم و تربیت سے آپ کسی اور نمونے کے انسان تیار کرنا چاہیں تو ذرائع کہاں سے لائیں گے؟ اور تھوڑے بہت تیار کر بھی دیں تو وہ کھپیں گے کہاں؟ رزق کے دروازے اور کھپت کے میدان تو سارے کے سارے بگڑی ہوئی حکومت کے قبضے میں ہیں۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں بے حد و حساب خونریزی ہو رہی ہے۔ انسان کا علم اس کی تباہی کے لیے استعمال کیا جارہا ہے۔ انسان کی محنت کے پھل آگ کی نذر کیے جارہے ہیں اور بیش قیمت جانیں مٹی کے ٹھیکروں سے بھی زیادہ بے دردی کے ساتھ ضائع کی جارہی ہیں۔ یہ کس وجہ سے؟ صرف اس وجہ سے کہ آدم کی اولاد میں جو لوگ سب سے زیادہ شریر اور بدنفس تھے وہ دنیا کی قوموں کے رہنما اور اقتدار کی باگوں کے مالک ہیں۔ قوت اُن کے ہاتھ میں ہے، اس لیے وہ دنیا کو جدھر چلا رہے ہیں

اُسی طرف دُنیا چل رہی ہے۔ علم، دولت، محنت، جان، ہر چیز کا جو مصرف انہوں نے تجویز کیا ہے اُسی میں ہر چیز صرف ہو رہی ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ہر طرف ظلم ہو رہا ہے، کمزور کے لیے کہیں انصاف نہیں، غریب کی زندگی دُشوار ہے، عدالتیں بنیے کی دوکان بنی ہوئی ہیں جہاں سے صرف روپے کے عوض ہی انصاف خریدا جاسکتا ہے، لوگوں سے بے حساب ٹیکس وصول کیے جاتے ہیں اور افسروں کی شاہانہ تنخواہوں پر، بڑی بڑی عمارتوں پر، لڑائی کے گولہ بارود پر اور ایسی ہی دوسری فضول خرچیوں پر اڑا دیے جاتے ہیں۔ ساہوکار، زمیندار، راجہ اور رئیس، خطاب یافتہ اور خطاب کے امیدوار عمائدین، گدی نشین پیر اور مہنت، سنیما کمپنیوں کے مالک، شراب کے تاجر، فحش کتابیں اور رسالے شائع کرنے والے، جوئے کا کاروبار چلانے والے اور ایسے ہی بہت سے لوگ خلقِ خدا کی جان، مال، عزّت، اخلاق، ہر چیز کو تباہ کررہے ہیں اور کوئی اُن کو روکنے والا نہیں۔ یہ سب کیوں ہو رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ حکومت کی کل بگڑی ہوئی ہے۔ طاقت جن ہاتھوں میں ہے وہ خراب ہیں۔ وہ خود بھی ظلم کرتے ہیں اور ظالموں کا ساتھ بھی دیتے ہیں۔ اور جو ظلم بھی ہوتا ہے اس وجہ سے ہوتا ہے کہ وہ اس کے ہونے کے خواہشمند یا کم از کم رَوادار ہیں۔

ان مثالوں سے یہ بات آپ کی سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ حکومت کی خرابی اکثر و بیشتر خرابیوں کی جڑ ہے۔ لوگوں کے خیالات کا گمراہ ہونا، اخلاق کا بگڑنا، انسانی قوتوں اور قابلیتوں کا غلط راستوں میں صرف ہونا، کاروبار اور معاملات کی غلط صورتوں اور زندگی کے بُرے طور طریق، رواج پانا، ظلم وستم اور بدافعالیوں کا پھیلنا اور خلقِ خدا کا تباہ ہونا، یہ سب کچھ نتیجہ ہے اس ایک بات کا کہ اختیارات اور اقتدار کی کنجیاں غلط ہاتھوں میں ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب طاقت بگڑے ہوئے لوگوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور جب خلقِ خدا کا رزق انہی کے تصرّف میں ہوگا تو وہ نہ صرف خود بگاڑ کو پھیلائیں گے بلکہ بگاڑ کی ہر صورت اُن کی مدد اور حمایت سے پھیلے گی اور جب تک اختیارات اُن کے قبضہ میں رہیں گے، کسی چیز کی اصلاح نہ ہو سکے گی۔

اصلاح کے لیے ناگزیر قدم ـــــ اصلاحِ حکومت

یہ بات جب آپ کے ذہن نشین ہوگئی تو یہ سمجھنا آپ کے لیے آسان ہے کہ خلقِ خدا کی اصلاح کرنے اور لوگوں کو تباہی کے راستوں سے بچا کر فلاح اور سعادت کے راستے پر لانے کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ حکومت کے بگاڑ کو دُرست کیا جائے۔ معمولی عقل کا آدمی

بھی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ جہاں لوگوں کو زنا کی آزادی حاصل ہو، وہاں زنا کے خلاف خواہ کتنا ہی وعظ کیا جائے زنا کا بند ہونا محال ہے۔ لیکن اگر حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر کے زبردستی زنا کو بند کر دیا جائے تو لوگ خود بخود حرام کے راستے کو چھوڑ کر حلال کا راستہ اختیار کر لیں گے۔ شراب، جوا، سُود، رشوت، فحش تماشے، بے حیائی کے لباس، بداخلاق بنانے والی تعلیم، اور ایسی ہی دوسری چیزیں اگر آپ وعظوں سے دُور کرنا چاہیں تو کامیابی ناممکن ہے۔ البتہ حکومت کے زور سے یہ سب بلائیں دُور کی جاسکتی ہیں۔ جو لوگ خلقِ خدا کو لُوٹتے اور اخلاق کو تباہ کرتے ہیں اُن کو آپ محض پند و نصیحت سے چاہیں کہ اپنے فائدوں سے ہاتھ دھولیں تو یہ کسی طرح ممکن نہیں۔ ہاں اقتدار ہاتھ میں لے کر آپ بزور اُن کی شرارتوں کا خاتمہ کر دیں تو ان ساری خرابیوں کا انسداد ہوسکتا ہے۔ اگر آپ چاہیں کہ بندگانِ خدا کی محنت، دولت، ذہانت و قابلیت غلط راستوں میں ضائع ہونے سے بچے اور صحیح راستوں میں صرف ہو، اگر آپ چاہیں کہ ظلم مٹے اور انصاف ہو، اگر آپ چاہیں کہ زمین میں فساد نہ ہو، انسان انسان کا خون نہ چوسے، نہ بہائے، دبے اور گرے ہوئے انسان اٹھائے جائیں اور تمام انسانوں کو یکساں عزت، امن، خوش حالی اور ترقی کے مواقع حاصل ہوں، تو محض تبلیغ و تلقین کے زور سے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ البتہ حکومت کا زور آپ کے پاس ہو تو یہ سب کچھ ہونا ممکن ہے۔ پس یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے جس کو سمجھنے کے لیے کچھ بہت زیادہ غور و فکر کرنے کی بھی ضرورت نہیں کہ اصلاحِ خلق کی کوئی اسکیم بھی حکومت کے اختیارات پر قبضہ کیے بغیر نہیں چل سکتی۔ جو کوئی حقیقت میں خدا کی زمین سے فتنہ و فساد کو مٹانا چاہتا ہو اور واقعی یہ چاہتا ہو کہ خلقِ خدا کی اصلاح ہو تو اس کے لیے محض واعظ اور ناصح بن کر کام کرنا فضول ہے۔ اسے اٹھنا چاہیے اور غلط اُصول کی حکومت کا خاتمہ کر کے غلط کار لوگوں کے ہاتھ سے اقتدار چھین کر صحیح اصول اور صحیح طریقے کی حکومت قائم کرنی چاہیے۔

حکومت کی خرابی کی بنیاد۔ انسان پر انسان کی حکمرانی

یہ نکتہ سمجھ لینے کے بعد ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ آپ کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ بندگانِ خدا کی زندگی میں جو خرابیاں پھیلتی ہیں اُن کی جڑ بڑی حد تک حکومت کی خرابی ہے اور اصلاح کے لیے ضروری ہے کہ اس جڑ کی اصلاح کی جائے۔ مگر اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خود حکومت کی خرابی کا

بنیادی سبب کیا ہے؟ اس خرابی کی جڑ کہاں ہے؟ اور اس میں کون سی بنیادی اصلاح کی جائے کہ وہ بُرائیاں پیدا نہ ہوں جن کا ذکر اوپر کیا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جڑ دراصل انسان پر انسان کی حکومت ہے اور اصلاح کی کوئی صورت اس کے سوا نہیں ہے کہ انسان پر خدا کی حکومت ہو۔ اتنے بڑے سوال کا اتنا مختصر سا جواب سُن کر آپ تعجب نہ کریں، اس سوال کی تحقیق میں جتنا کھوج آپ لگائیں گے یہی جواب آپ کو ملے گا۔

ذرا غور تو کیجیے، یہ زمین جس پر آپ رہتے ہیں یہ خدا کی بنائی ہوئی ہے یا کسی اور کی؟ یہ انسان جو زمین پر بستے ہیں ان کو خدا نے پیدا کیا ہے یا کسی اور نے؟ یہ بے شمار اسبابِ زندگی جن کے بل پر سب انسان جی رہے ہیں انہیں خدا نے مہیا کیا ہے یا کسی اور نے؟ اگر ان سب سوالات کا جواب یہی ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں کہ زمین اور انسان اور یہ تمام سامان خدا ہی کے پیدا کیے ہوئے ہیں، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ملک خدا کا ہے، دولت خدا کی ہے اور رعیّت بھی خدا کی ہے۔ پھر جب معاملہ یہ ہے تو آخر کوئی اس کا حقدار کیسے ہوگیا کہ خدا کے ملک میں اپنا حکم چلائے؟ آخر یہ کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ خدا کی رعیّت پر خدا کے سوا کسی دوسرے کا قانون یا خود رعیّت کا اپنا بنایا ہوا قانون جاری ہو؟ ملک کسی کا ہو اور حکم دوسرے کا چلے، ملکیت کسی کی ہو اور مالک کوئی دوسرا بن جائے، رعیّت کسی کی ہو اور اس پر فرمانروائی دوسرا کرے، یہ بات آپ کی عقل کیسے قبول کرسکتی ہے؟ ایسا ہونا تو صریح حق کے خلاف ہے۔ اور چونکہ یہ حق کے خلاف ہے اس لیے جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا ہوتا ہے نتیجہ بُرا ہی نکلتا ہے۔ جن انسانوں کے ہاتھ میں قانون بنانے اور حکم چلانے کے اختیارات آتے ہیں وہ کچھ تو اپنی جہالت کی وجہ سے مجبوراً غلطیاں کرتے ہیں، اور کچھ اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے قصداً ظلم اور بے انصافی کا ارتکاب کرنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اوّل تو ان کے پاس اتنا علم نہیں ہوتا کہ انسانی معاملات کو چلانے کے لیے صحیح قاعدے اور قانون بناسکیں، اور پھر اس سے بھی زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ خدا کے خوف اور خدا کے سامنے جواب دہی سے غافل ہوکر لامحالہ وہ شُترِ بے مہار بن جاتے ہیں۔ ذرا سی عقل اس بات کو سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ جو انسان خدا سے بے خوف ہو، جسے یہ فکر ہو ہی نہیں کہ کسی کو حساب دینا ہے، جو اپنی جگہ یہ سمجھ رہا ہو کہ اوپر کوئی نہیں جو مجھ سے پوچھ گچھ کرنے والا ہو، وہ طاقت اور اختیارات پاکر

شتر بے مہار نہ بنے گا تو اور کیا بنے گا؟ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایسے شخص کے ہاتھ میں جب لوگوں کے رزق کی کنجیاں ہوں، جب لوگوں کی جانیں اور ان کے مال اس کی مٹھی میں ہوں، جب ہزاروں لاکھوں سر اس کے حکم کے آگے جھک رہے ہوں، تو کیا وہ راستی اور انصاف پر قائم رہ جائے گا؟ کیا آپ توقع کرتے ہیں کہ وہ خزانوں کا امین ثابت ہوگا؟ کیا آپ امید رکھتے ہیں کہ وہ حق مارنے، حرام کھانے اور بندگانِ خدا کو اپنی خواہشات کا غلام بنانے سے باز رہے گا؟ کیا آپ کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ ایسا شخص خود بھی سیدھے راستے پر چلے اور دوسروں کو بھی سیدھا چلائے؟ ہرگز نہیں، ہرگز ہرگز نہیں، ایسا ہونا عقل کے خلاف ہے، ہزارہا برس کا تجربہ اس کے خلاف شہادت دیتا ہے، آج اپنی آنکھوں سے آپ خود دیکھ رہے ہیں کہ جو لوگ خدا سے بے خوف اور آخرت کی جواب دہی سے غافل ہیں وہ اختیارات پا کر کس قدر ظالم، خائن، اور بدراہ ہو جاتے ہیں۔

اصلاح کی بنیاد ـــــ انسان پر خدا کی حکومت ہو

لہٰذا حکومت کی بنیاد میں جس اصلاح کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت نہ ہو بلکہ خدا کی حکومت ہو۔ اس حکومت کو چلانے والے خود مالک الملک نہ بنیں بلکہ خدا کو بادشاہ تسلیم کر کے اس کے نائب اور امین کی حیثیت سے کام کریں اور یہ سمجھتے ہوئے اپنے فرائض انجام دیں کہ آخر کار اس امانت کا حساب اُس بادشاہ کو دینا ہے جو کھلے اور چھپے کا جاننے والا ہے۔ قانون اُس خدا کی ہدایت پر مبنی ہو جو تمام حقیقتوں کا علم رکھتا ہے اور دانائی کا سرچشمہ ہے۔ اُس قانون کو بدلنے یا اس میں ترمیم و تنسیخ کرنے کے اختیارات کسی کو نہ ہوں، تاکہ وہ انسانوں کی جہالت یا خود غرضی اور ناروا خواہشات کے دخل پا جانے سے بگڑ نہ جائے۔

یہی وہ بنیادی اصلاح ہے، جس کو اسلام جاری کرنا چاہتا ہے۔ جو لوگ خدا کو اپنا بادشاہ (محض خیالی نہیں بلکہ واقعی بادشاہ) تسلیم کر لیں اور اُس قانون پر جو خدا نے اپنے نبیؐ کے ذریعے سے بھیجا ہے، ایمان لے آئیں، اُن سے اسلام یہ مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اپنے بادشاہ کے ملک میں اُس کا قانون جاری کرنے کے لیے اٹھیں، اس کی رعیّت میں سے جو لوگ باغی ہو گئے ہیں اور خود مالک الملک بن بیٹھے ہیں اُن کا زور توڑ دیں اور اللہ کی رعیّت کو دوسروں کی رعیّت بننے سے بچائیں۔ اسلام کی نگاہ میں یہ بات ہرگز کافی نہیں ہے کہ تم نے خدا کو خدا اور اس کے قانون کو قانونِ برحق مان لیا۔ نہیں اس کو ماننے کے ساتھ ہی آپ سے آپ یہ فرض تم پر عاید ہو جاتا ہے کہ جہاں بھی

تم ہو، جس سرزمین میں بھی تمہاری سکونت ہو وہاں خلقِ خدا کی اصلاح کے لیے اٹھو، حکومت کے غلط اصول کو صحیح اصول سے بدلنے کی کوشش کرو، ناخدا ترس اور شُترِ بے مہار قسم کے لوگوں سے قانون سازی اور فرماں روائی کا اقتدار لے لو اور بندگانِ خدا کی رہنمائی و سربراہ کاری اپنے ہاتھ میں لے کر خدا کے قانون کے مطابق، آخرت کی ذمہ داری و جوابدہی کا اور خدا کے عالم الغیب ہونے کا یقین رکھتے ہوئے، حکومت کے معاملات انجام دو۔ اسی کوشش اور اسی جدوجہد کا نام جہاد ہے۔

حکومت ایک کٹھن راستہ

لیکن حکومت اور فرماں روائی جیسی بد بلا ہے ہر شخص اُس کو جانتا ہے۔ اس کے حاصل ہونے کا خیال آتے ہی انسان کے اندر لالچ کے طوفان اٹھنے لگتے ہیں۔ خواہشاتِ نفسانی یہ چاہتی ہیں کہ زمین کے خزانے اور خلقِ خدا کی گردنیں اپنے ہاتھ میں آئیں تو دل کھول کر خدائی کی جائے۔ حکومت کے اختیارات پر قبضہ کر لینا اتنا مشکل نہیں جتنا ان اختیارات کے ہاتھ میں آجانے کے بعد خدا بننے سے بچنا اور بندۂ خدا بن کر کام کرنا مشکل ہے، پھر بھلا فائدہ ہی کیا ہوا اگر فرعون کو ہٹا کر تم خود فرعون بن گئے؟ لہٰذا اس شدید آزمائش کے کام کی طرف بُلانے سے پہلے اسلام تم کو اس کے لیے تیار کرنا ضروری سمجھتا ہے۔ تم کو حکومت کا دعویٰ لے کر اُٹھنے اور دنیا سے لڑنے کا حق اُس وقت تک ہرگز نہیں پہنچتا جب تک تمہارے دل سے خودغرضی اور نفسانیت نہ نکل جائے۔ جب تک تم میں اتنی پاک نفسی پیدا نہ ہو جائے کہ تمہاری لڑائی اپنی ذاتی یا قومی اغراض کے لیے نہ ہو بلکہ صرف اللہ کی رضا اور خَلقُ اللہ کی اصلاح کے لیے ہو۔ اور جب تک تم میں یہ صلاحیت مستحکم نہ ہو جائے کہ حکومت پا کر تم اپنی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ خدا کے قانون کی پیروی پر ثابت قدم رہ سکو۔ محض یہ بات کہ تم کلمہ پڑھ کر اسلام میں داخل ہو گئے ہو، تمہیں اس کا مستحق نہیں بنا دیتی کہ اسلام تمہیں خلقِ خدا پر ٹوٹ پڑنے کا حکم دے دے، اور پھر تم خدا اور رسولؐ کا نام لے لے کر وہی سب حرکتیں کرنے لگو جو خدا کے باغی اور ظالم لوگ کرتے ہیں۔ قبل اس کے کہ اتنی بڑی ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لیے تم کو حکم دیا جائے، اسلام یہ ضروری سمجھتا ہے کہ تم میں وہ طاقت پیدا کی جائے جس سے تم اس بوجھ کو سہار سکو۔

عبادات ـــــ ایک تربیتی کورس ہیں

یہ نماز اور روزہ اور یہ زکوٰۃ اور حج دراصل اسی تیاری اور تربیت کے لیے ہیں، جس طرح تمام دنیا کی سلطنتیں اپنی فوج، پولس اور سول سروس کے لیے آدمیوں کو پہلے خاص قسم کی ٹریننگ دیتی ہیں پھر اُن سے کام لیتی ہیں، اُسی طرح اللہ کا دین (اسلام) بھی ان تمام آدمیوں کو، جو اس کی ملازمت میں بھرتی ہوں، پہلے خاص طریقے سے تربیت دیتا ہے، پھر اُن سے جہاد اور حکومتِ الٰہی کی خدمت لینا چاہتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا کی سلطنتوں کو اپنے آدمیوں سے جو کام لینا ہوتا ہے اُس میں اخلاق اور نیک نفسی اور خدا ترسی کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، اس لیے وہ انہیں صرف کارواں بنانے کی کوشش کرتی ہیں، خواہ وہ کیسے ہی زانی، شرابی، بے ایمان اور بدنفس ہوں۔ مگر دینِ الٰہی کو جو کام اپنے آدمیوں سے لینا ہے وہ چونکہ سارا کا سارا ہے ہی اخلاقی کام، اس لیے وہ انہیں کارواں بنانے سے زیادہ اہم اس بات کو سمجھتا ہے کہ انہیں خدا ترس اور نیک نفس بنائے۔ وہ ان میں اتنی طاقت پیدا کرنا چاہتا ہے کہ جب وہ زمین میں خدا کی خلافت قائم کرنے کا دعویٰ لے کر اٹھیں تو اپنے دعوے کو سچا کر کے دکھا سکیں۔ وہ لڑیں تو اس لیے نہ لڑیں کہ انہیں خود اپنے واسطے مال و دولت اور زمین درکار ہے، بلکہ ان کے عمل سے ثابت ہو جائے کہ ان کی لڑائی خالص خدا کی رضا کے لیے اور اس کے بندوں کی فلاح و بہبود کے لیے ہے۔ وہ فتح پائیں تو متکبر و سرکش نہ ہوں بلکہ ان کے سر خدا کے آگے جھکے ہوئے رہیں۔ وہ حاکم بنیں تو لوگوں کو اپنا غلام نہ بنائیں بلکہ خود بھی خدا کے غلام بن کر رہیں اور دوسروں کو بھی خدا کے سوا کسی کا غلام نہ رہنے دیں۔ وہ زمین کے خزانوں پر قابض ہوں تو اپنی یا اپنے خاندان والوں یا اپنی قوم کے لوگوں کی جیبیں نہ بھرنے لگیں، بلکہ خدا کے رزق کو اس کے بندوں پر انصاف کے ساتھ تقسیم کریں اور ایک سچے امانتدار کی طرح یہ سمجھتے ہوئے کام کریں کہ کوئی آنکھ ہمیں ہر حال میں دیکھ رہی ہے اور اوپر کوئی ہے جسے ہم کو ایک ایک پائی کا حساب دینا ہے۔ اس تربیت کے لیے ان عبادتوں کے سوا اور کوئی دوسرا طریقہ ممکن ہی نہیں ہے۔ اور جب اسلام اس طرح اپنے آدمیوں کو تیار کر لیتا ہے، تب وہ ان سے کہتا ہے کہ ہاں اب تم رُوئے زمین پر خدا کے سب سے زیادہ صالح بندے ہو، لہٰذا آگے بڑھو، خدا کے باغیوں کو حکومت سے بے دخل کر دو اور خلافت کے اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لو۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ (آل عمران:۱۱۰)

"دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔"

خدا شناس حکومت کی برکات

آپ سمجھ سکتے ہیں کہ جہاں فوج، پولس، عدالت، جیل، تحصیلداری، ٹیکس کلکٹری اور تمام دوسرے سرکاری کام ایسے اہلکاروں اور عہدہ داروں کے ہاتھ میں ہوں جو سب کے سب خدا سے ڈرنے والے اور آخرت کی جوابدہی کا خیال رکھنے والے ہوں، اور جہاں حکومت کے سارے قاعدے اور سارے ضابطے اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہدایت پر قائم ہوں، جس میں بے انصافی اور نادانی کا کوئی امکان ہی نہیں ہے، اور جہاں بدی و بدکاری کی ہر صورت کا بروقت تدارک کر دیا جائے اور نیکی و نیکوکاری کی ہر بات کو حکومت اپنے روپے اور اپنی طاقت سے پروان چڑھانے کے لیے مستعد رہے، ایسی جگہ خلقِ خدا کی بہتری کا کیا حال ہوگا۔ پھر آپ ذرا غور کریں تو یہ بات بھی آسانی کے ساتھ آپ کی سمجھ میں آ جائے گی کہ ایسی حکومت جب کچھ مدّت تک کام کر کے لوگوں کی بگڑی ہوئی عادتوں کو درست کر دے گی، جب وہ حرام خوری، بدکاری، ظلم، بے حیائی اور بداخلاقی کے سارے رستے بند کر دے گی، جب وہ غلط قسم کی تعلیم و تربیت کا انسداد کر کے صحیح تعلیم و تربیت سے لوگوں کے خیالات ٹھیک کر دے گی، اور جب اس کے ماتحت عدل و انصاف، امن و امان اور نیک اطواری و خوش اخلاقی کی پاک صاف فضا میں لوگوں کو زندگی بسر کرنے کا موقع ملے گا، تو وہ آنکھیں جو بدکار اور ناخداترس لوگوں کی سرداری میں مدت ہائے دراز تک رہنے کی وجہ سے اندھی ہو گئی تھیں، رفتہ رفتہ خود ہی حق کو دیکھنے اور پہچاننے کے قابل ہو جائیں گی۔ وہ دل جن پر صدیوں تک بداخلاقیوں کے درمیان گھرے رہنے کی وجہ سے زنگ کی تہیں چڑھ گئی تھیں، آہستہ آہستہ خود ہی آئینے کی طرح صاف ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں سچائی کا عکس قبول کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے گی۔ اُس وقت لوگوں کے لیے اس سیدھی سی بات کا سمجھنا اور مان لینا کچھ بھی مشکل نہیں رہے گا کہ حقیقت میں اللہ ہی اُن کا خدا ہے اور اُس کے سوا

کوئی اس کا مستحق نہیں کہ وہ اس کی بندگی کریں اور یہ کہ واقعی وہ پیغمبر سچے تھے جن کے ذریعے سے ایسے صحیح قوانین ہم کو ملے۔ آج جس بات کو لوگوں کے دماغ میں اُتارنا سخت مشکل نظر آتا ہے، اس وقت وہ بات خود دماغوں میں اُترنے لگے گی۔ آج تقریروں اور کتابوں کے ذریعہ سے جس بات کو نہیں سمجھایا جاسکتا اُس وقت وہ ایسی آسانی سے سمجھ میں آئے گی کہ گویا اس میں کوئی پیچیدگی تھی ہی نہیں۔ جو لوگ اپنی آنکھوں سے اس فرق کو دیکھ لیں گے کہ انسان کے خود گھڑے ہوئے طریقوں پر دنیا کا کاروبار چلتا ہے تو کیا حال ہوتا ہے اور خدا کے بتائے ہوئے طریقوں پر اسی دنیا کے کام چلائے جاتے ہیں تب کیا کیفیت ہوتی ہے۔ اُن کے لیے خدا کی توحید اور اس کے پیغمبر کی صداقت پر ایمان لانا آسان اور ایمان نہ لانا مشکل ہو جائے گا۔ بالکل اُسی طرح جیسے پھول اور کانٹوں کا فرق محسوس کر لینے کے بعد پھول کا انتخاب کرنا آسان اور کانٹوں کا چننا مشکل ہو جاتا ہے۔ اُس وقت اسلام کی سچائی سے انکار کرنے اور کفر وشرک پر اڑے رہنے کے لیے بہت ہی زیادہ ہٹ دھرمی کی ضرورت ہوگی اور مشکل سے ہزار میں دس پانچ ہی آدمی ایسے نکلیں گے، جن میں زیادہ ہٹ دھرمی موجود ہو۔

بھائیو! اب مجھے امید ہے کہ تم نے اچھی طرح سمجھ لیا ہوگا کہ یہ نماز اور روزہ اور یہ حج اور زکوٰۃ کس غرض کے لیے ہیں۔ تم اب تک یہ سمجھتے رہے ہو اور مدّتوں سے تم کو اس غلط فہمی میں مبتلا رکھا گیا ہے کہ یہ عبادتیں محض پوجا پاٹ قسم کی چیزیں ہیں۔ تمہیں یہ بتایا ہی نہیں گیا کہ یہ ایک بڑی خدمت کی تیاری کے لیے ہیں۔ اسی وجہ سے تم بغیر کسی مقصد کے ان رسموں کو ادا کرتے رہے اور اس کام کے لیے کبھی تیار ہونے کا خیال تک تمہارے دلوں میں نہ آیا جس کے لیے دراصل انہیں مقرر کیا گیا تھا۔ مگر اب میں تمہیں بتاتا ہوں کہ جس دل میں جہاد کی نیّت نہ ہو اور جس کے پیشِ نظر جہاد کا مقصد نہ ہو اس کی ساری عبادتیں بے معنی ہیں۔ اِن بے معنی عبادت گزاریوں سے اگر تم گمان رکھتے ہو کہ خدا کا تقرّب نصیب ہوتا ہے تو خدا کے ہاں جا کر تم خود دیکھ لو گے کہ انہوں نے تم کو اس سے کتنا قریب کیا۔

جہاد کی اہمیت

برادرانِ اسلام! اس سے پہلے ایک مرتبہ مَیں آپ کو دین اور شریعت اور عبادت کے معنی بتا چکا ہوں۔ اب ذرا پھر اس مضمون کو اپنے دماغ میں تازہ کر لیجیے۔

- دین کے معنی اطاعت کے ہیں۔
- شریعت قانون کو کہتے ہیں۔
- عبادت سے مراد بندگی ہے۔

دین کے معنی

جب آپ کسی کی اطاعت میں داخل ہوئے اور اس کو اپنا حاکم تسلیم کر لیا تو گویا آپ نے اس کا دین قبول کیا۔ پھر جب وہ آپ کا حاکم ہوا اور آپ اُس کی رعایا بن گئے تو اس کے احکام اور اس کے مقرر کیے ہوئے ضابطے آپ کے لیے قانون یا شریعت ہوں گے اور جب آپ اس کی اطاعت کرتے ہوئے اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر کریں گے، جو کچھ وہ طلب کرے گا حاضر کر دیں گے، جس بات کا وہ حکم دے گا اسے بجا لائیں گے، جن کاموں سے منع کرے گا اُن سے رُک جائیں گے، جن حدود کے اندر رہ کر کام کرنا وہ آپ کے لیے جائز ٹھیرائے گا انہی حدود کے اندر آپ رہیں گے، اور اپنے آپس کے تعلقات و معاملات اور مقدموں اور قضیوں میں اُسی کی ہدایات پر چلیں گے اور اسی کے فیصلہ پر سر جھکائیں گے تو آپ کے اس رویے کا نام بندگی یا عبادت ہوگا۔

اس تشریح سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ دین دراصل حکومت کا نام ہے۔ شریعت

اس حکومت کا قانون ہے اور عبادت اس کے قانون اور ضابطے کی پابندی ہے۔ آپ جس کسی کو حاکم مان کر اس کی محکومی قبول کرتے ہیں، دراصل آپ اُس کے دین میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر آپ کا وہ حاکم اللہ ہے تو آپ دینُ اللہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی بادشاہ ہے تو آپ دینِ بادشاہ میں داخل ہوئے، اگر وہ کوئی خاص قوم ہے تو آپ اُسی قوم کے دین میں داخل ہوئے، اور اگر وہ خود آپ کی اپنی قوم یا آپ کے وطن کے جمہور ہیں تو آپ دینِ جمہور میں داخل ہوئے۔ غرض جس کی اطاعت کا قلادہ آپ کی گردن میں ہے فی الواقع اُسی کے دین میں آپ ہیں، اور جس کے قانون پر آپ عمل کر رہے ہیں دراصل اُسی کی عبادت کر رہے ہیں۔

انسان کے دو دین نہیں ہو سکتے

یہ بات جب آپ نے سمجھ لی تو بغیر کسی دقت کے یہ سیدھی سی بات بھی آپ سمجھ سکتے ہیں کہ انسان کے دو دین کسی طرح نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مختلف حکمرانوں میں سے بہر حال ایک ہی کی اطاعت آپ کر سکتے ہیں۔ مختلف قانونوں میں سے بہر حال ایک ہی قانون آپ کی زندگی کا ضابطہ بن سکتا ہے۔ اور مختلف معبودوں میں سے ایک ہی کی عبادت کرنا آپ کے لیے ممکن ہے۔ آپ کہیں گے کہ ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ عقیدے میں ہم ایک کو حاکم مانیں اور واقعہ میں اطاعت دوسرے کی کریں، پوجا اور پرستش ایک کے آگے کریں اور بندگی دوسرے کی بجا لائیں، اپنے دل میں عقیدہ ایک قانون پر رکھیں اور واقعہ میں ہماری زندگی کے سارے معاملات دوسرے قانون کے مطابق چلتے رہیں۔ مَیں اس کے جواب میں عرض کروں گا، بیشک یہ ہو تو سکتا ہے، اور سکتا کیا معنی ہو ہی رہا ہے، مگر یہ ہے شرک۔ اور یہ شرک سر سے پاؤں تک جھوٹ ہی جھوٹ ہے۔ حقیقت میں تو آپ اُسی کے دین پر ہیں جس کی اطاعت واقعی آپ کر رہے ہیں۔ پھر یہ جھوٹ نہیں تو کیا ہے کہ جس کی اطاعت آپ نہیں کر رہے ہیں اُس کو اپنا حاکم اور اُس کے دین کو اپنا دین کہیں؟ اور اگر زبان سے آپ کہتے بھی ہیں یا دل میں ایسا سمجھتے بھی ہیں تو اس کا فائدہ اور اثر کیا ہے؟ آپ کا یہ کہنا کہ ہم اُس کی شریعت پر ایمان لاتے ہیں بالکل ہی بے معنی ہے جبکہ آپ کی زندگی کے معاملات اس کی شریعت کے دائرے سے نکل گئے ہوں اور کسی دوسری شریعت پر چل رہے ہیں۔ آپ کا یہ کہنا کہ ہم فلاں کو معبود مانتے ہیں اور آپ کا اپنے ان

سروں کو جو گردنوں پر رکھے ہوئے ہیں، سجدے میں اس کے آگے زمین پر ٹیک دینا، بالکل ایک مصنوعی فعل بن کر رہ جاتا ہے جبکہ آپ واقع میں بندگی دوسرے کی کر رہے ہوں۔ حقیقت میں آپ کا معبود تو وہ ہے اور آپ دراصل عبادت اُسی کی کر رہے ہیں، جس کے حکم کی آپ تعمیل کرتے ہیں۔ جس کے منع کرنے سے آپ رُکتے ہیں، جس کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر رہ کر آپ کام کرتے ہیں، جس کے مقرر کیے ہوئے طریقوں پر آپ چلتے ہیں، جس کے ضابطے کے مطابق آپ دوسروں کا مال لیتے اور اپنا مال دوسروں کو دیتے ہیں، جس کے فیصلوں کی طرف آپ اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہیں، جس کی شریعت پر آپ کے باہمی تعلقات کی تنظیم اور آپ کے درمیان حقوق کی تقسیم ہوتی ہے۔ اور جس کی طلبی پر آپ اپنے دل و دماغ اور ہاتھ پاؤں کی ساری قوتیں، اور اپنے کمائے ہوئے مال اور آخر کار اپنی جانیں تک پیش کر دیتے ہیں۔ پس اگر آپ کا عقیدہ کچھ ہو اور واقعہ اس کے خلاف ہو، تو اصل چیز واقعہ ہی ہوگا، عقیدے کے لیے اس صورت میں سرے سے کوئی جگہ نہ ہوگی، نہ ایسے عقیدے کا کوئی وزن ہی ہوگا۔ اگر واقعہ میں آپ دینِ بادشاہ پر ہوں تو اس میں دینُ اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی، اگر واقعہ میں آپ دینِ جمہور پر ہوں یا دینِ انگریز یا دینِ جرمن یا دین ملک و وطن پر ہوں تو اس میں بھی دینُ اللہ کے لیے کوئی جگہ نہ ہوگی اور اگر فی الواقعہ آپ دینُ اللہ پر ہوں تو اسی طرح اس میں بھی کسی دوسرے دین کے لیے کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔ بہر حال یہ خوب سمجھ لیجیے کہ شرک جہاں بھی ہوگا جھوٹ ہی ہوگا۔

ہر دین اقتدار چاہتا ہے

یہ نکتہ بھی جب آپ کے ذہن نشین ہو گیا تو بغیر کسی لمبی چوڑی بحث کے آپ کا دماغ خود اس نتیجے پر پہنچ سکتا ہے کہ دین خواہ کوئی سا بھی ہو، لامحالہ اپنی حکومت چاہتا ہے۔ دینِ جمہوری ہو یا دینِ بادشاہی، دینِ اشتراکی ہو یا دینِ الٰہی، یا کوئی اور دین۔ بہر حال ہر دین کو اپنے قیام کے لیے خود اپنی حکومت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومت کے بغیر دین بالکل ایسا ہے جیسے ایک عمارت کا نقشہ آپ کے دماغ میں ہو، مگر عمارت زمین پر موجود نہ ہو۔ ایسے دماغی نقشے کے ہونے کا فائدہ ہی کیا ہے جبکہ آپ رہیں گے اُس عمارت میں جو فی الواقع موجود ہوگی؟ اُسی کے دروازے میں آپ داخل ہوں گے اور اسی کے دروازے سے نکلیں گے۔ اُسی کی چھت اور اسی کی

دیواروں کا سایہ آپ پر ہوگا۔ اُسی کے نقشے پر آپ کو اپنی سکونت کا سارا انتظام کرنا ہوگا۔ پھر بھلا ایک نقشے کی عمارت میں رہتے ہوئے آپ کا کسی دوسرے طرز یا دوسرے نقشے کی عمارت اپنے ذہن میں رکھنا، یا اس کا محض معتقد ہوجانا آخر معنی ہی کیا رکھتا ہے؟ وہ خیالی عمارت تو محض آپ کے ذہن میں ہوگی مگر آپ خود اُس واقعی عمارت کے اندر ہوں گے جو زمین پر بنی ہوئی ہے۔ عمارت کا لفظ دماغ والی عمارت کے لیے تو کوئی بولتا نہیں ہے، نہ ایسی عمارت میں کوئی رہ سکتا ہے۔ عمارت تو کہتے ہی اس کو ہیں اور آدمی رہ اسی عمارت میں سکتا ہے جس کی بنیادیں زمین میں ہوں اور جس کی چھت اور دیواریں زمین پر قائم ہوں۔ بالکل اسی مثال کے مطابق کسی دین کے حق ہونے کا محض اعتقاد کوئی معنی نہیں رکھتا، اور ایسا اعتقاد لا حاصل ہے جبکہ لوگ عملاً ایک دوسرے دین میں زندگی بسر کر رہے ہوں۔ جس طرح خیالی نقشے کا نام عمارت نہیں ہے اسی طرح خیالی دین کا نام بھی دین نہیں ہے۔ اور خیالی عمارت کی طرح کوئی شخص خیالی دین میں بھی نہیں رہ سکتا۔ دین وہی ہے جس کا اقتدار زمین پر قائم ہو، جس کا قانون چلے، جس کے ضابطے پر زندگی کے معاملات کا انتظام ہو۔ لہٰذا ہر دین عین اپنی فطرت ہی کے لحاظ سے اپنی حکومت کا تقاضا کرتا ہے، اور دین ہوتا ہی اسی لیے ہے کہ جس اقتدار کو وہ تسلیم کرنا چاہتا ہے اسی کی عبادت اور بندگی ہو اور اُسی کی شریعت نافذ ہو۔

چند مثالیں

مثال کے طور پر دیکھیے:

دینِ جمہوری

دینِ جمہوری کا کیا مفہوم ہے؟ یہی نا کہ ایک ملک کے عام لوگ خود اپنے اقتدار کے مالک ہوں، اور ان پر خود انہی کی بنائی ہوئی شریعت چلے اور ملک کے سب باشندے اپنے جمہوری اقتدار کی اطاعت و بندگی کریں۔ بتائیے یہ دین کیوں کر قائم ہوسکتا ہے جب تک کہ ملک کا قبضہ واقعی جمہوری اقتدار کو حاصل نہ ہوجائے اور جمہوری شریعت نافذ نہ ہونے لگے؟ اگر جمہور کے بجائے کسی قوم کا یا کسی بادشاہ کا اقتدار ملک میں قائم ہو اور اسی کی شریعت چلے تو دینِ جمہوری کہاں رہا؟ کوئی شخص دینِ جمہوری پر اعتقاد رکھتا ہو تو رکھا کرے، جب تک بادشاہ کا یا غیر قوم کا دین قائم ہے، دینِ جمہوری کی پیروی تو وہ نہیں کرسکتا۔

دینِ ملوکیّت

دینِ پادشاہی کو لیجیے۔ یہ دین جس بادشاہ کو بھی حاکمِ اعلیٰ قرار دیتا ہے اسی لیے تو قرار دیتا ہے کہ اطاعت اُس کی ہو اور شریعت اُس کی نافذ ہو۔ اگر یہی بات نہ ہوتی تو بادشاہ کو بادشاہ ماننے اور اُسے حاکمِ اعلیٰ تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا ہوئے؟ دینِ جمہور چل پڑا ہو یا کسی دوسری قوم کی حکومت قائم ہو گئی ہو تو دینِ بادشاہی رہا کب کہ کوئی اس کی پیروی کر سکے۔

دینِ فرنگ

دُور نہ جایئے اسی دینِ انگریز کو دیکھ لیجیے جو اس وقت ہندستان کا دین ہے۔(۱) یہ دین اسی وجہ سے تو چل رہا ہے کہ تعزیراتِ ہند اور ضابطۂ دیوانی انگریزی طاقت سے نافذ ہے۔ آپ کی زندگی کے سارے کاروبار انگریز کے مقرر کردہ طریقے پر اس کی لگائی ہوئی حد بندیوں کے اندر انجام پاتے ہیں، اور آپ سب اسی کے حکم کے آگے سرِ اطاعت جھکا رہے ہیں۔ جب تک یہ دین اس قوت کے ساتھ قائم ہے، آپ خواہ کسی دین کے معتقد ہوں، بہر حال اُس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ لیکن اگر تعزیراتِ ہند اور ضابطۂ دیوانی چلنا بند ہو جائے اور انگریز کے حکم کی اطاعت و بندگی نہ ہو تو بتایئے کہ دینِ انگریز کا کیا مفہوم باقی رہ جاتا ہے؟

دینِ اسلام

ایسا ہی معاملہ دینِ اسلام کا بھی ہے۔ اس دین کی بنا یہ ہے کہ زمین کا مالک اور انسانوں کا بادشاہ صرف اللہ تعالیٰ ہے، لہٰذا اسی کی اطاعت اور بندگی ہونی چاہیے اور اُسی کی شریعت پر انسانی زندگی کے سارے معاملات چلنے چاہییں۔ یہ اللہ کے اقتدارِ اعلیٰ کا اصول جو اسلام پیش کرتا ہے یہ بھی اس غرض کے لیے ہے، اور اس کے سوا کوئی دوسری غرض اس کی نہیں ہے کہ زمین میں صرف اللہ کا حکم چلے، عدالت میں فیصلے اسی کی شریعت پر ہو، پولس اسی کے احکام جاری کرے، لین دین اسی کے ضابطے کی پیروی میں ہو، ٹیکس اسی کی مرضی کے مطابق لگائے جائیں اور انہی مصارف میں صرف ہوں جو اس نے مقرر کیے ہیں، سول سروس اور فوج اسی کے زیرِ حکم ہو، لوگوں کی قوتیں اور قابلیتیں، محنتیں اور کوششیں اسی کی راہ میں ہوں، تقویٰ اور خوف اسی

---

(۱) یاد رہے کہ یہ خطبات ۳۹-۱۹۳۸ء کے ہیں جبکہ ہندستان انگریزوں کے زیرِ حکومت تھا۔

سے کیا جائے، رعیّت اسی کی مطیع ہو، اور فی الجملہ انسان اُس کے سوا کسی کے بندے بن کر نہ رہیں۔ ظاہر بات ہے کہ یہ غرض پوری نہیں ہوسکتی جب تک کہ خالص الٰہی حکومت نہ ہو۔ کسی دوسرے دین کے ساتھ یہ دین شرکت کہاں قبول کرسکتا ہے؟ اور کون سا دین ہے جو دوسرے دین کی شرکت قبول کرتا ہو؟ ہر دین کی طرح یہ دین بھی یہی کہتا ہے کہ اقتدار خالصاً و مخلصاً میرا ہونا چاہیے اور ہر دوسرا دین میرے مقابلہ میں مغلوب ہو جانا چاہیے، ورنہ میری پیروی نہیں ہوسکتی۔ میں ہوں گا تو دین جمہوری نہ ہوگا، دینِ بادشاہی نہ ہوگا، دینِ اشتراکی نہ ہوگا، کوئی بھی دوسرا دین نہ ہوگا، اور اگر کوئی دوسرا دین ہوگا تو مَیں نہ ہوں گا، اور اس صورت میں محض مجھے حق مان لینے کا کوئی نتیجہ نہیں۔ یہی بات ہے جس کو قرآن بار بار دُہراتا ہے۔ مثلاً:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰہَ مُخْلِصِیْنَ لَہُ الدِّیْنَ ۵ حُنَفَآءَ.

(البیّنۃ: ۵)

"لوگوں کو اس کے سوا کسی بات کا حکم نہیں دیا گیا کہ وہ سب طرف سے منہ موڑ کر اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر کے اُسی کی عبادت کریں۔"

ھُوَالَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ۝ (التوبۃ: ۳۳)

"وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اس کو پوری جنسِ دین پر غالب کر دے خواہ شرک کرنے والوں کو ایسا کرنا کتنا ہی ناگوار ہو۔"

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَاتَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ج

(الانفال: ۳۹)

"اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین سارا کا سارا اللہ کے لیے ہو جائے۔"

اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاہُ ط (یوسف: ۴۰)

"حکم اللہ کے سوا کسی کے لیے نہیں ہے۔ اُس کا فرمان ہے کہ خود اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔"

فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّہٖ فَلْیَعْمَلْ عَمَلاً صَالِحًا وَّلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَۃِ رَبِّہٖٓ اَحَدًا ۝ (الکھف: ۱۱۰)

تو جو کوئی اپنے رب کی ملاقات کا امیدوار ہو اس کو چاہیے کہ عمل صالح کرے اور اپنے رب کی عبادت میں کسی دوسرے کی عبادت شریک نہ کرے۔"

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ... وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء: ۶۰-۶۴)

"تو نے دیکھا نہیں اُن لوگوں کو جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اُس ہدایت پر جو تیری طرف اور تجھ سے پہلے کے نبیوں کی طرف اُتاری گئی تھی اور پھر ارادہ یہ کرتے ہیں کہ فیصلے کے لیے اپنے مقدمات طاغوت کے پاس لے جائیں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا...ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے تو بھیجا ہے کہ اللہ کے اذن کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے۔"

اُوپر میں عبادت اور دین اور شریعت کی جو تشریح کر چکا ہوں اس کے بعد آپ کو یہ سمجھنے میں کوئی دقت نہ ہو گی کہ ان آیات میں قرآن کیا کہہ رہا ہے۔

اسلام میں جہاد کی اہمیّت

اب یہ بات بالکل صاف ہو گئی کہ اسلام میں جہاد کی اس قدر اہمیّت کیوں ہے۔ دوسرے تمام دینوں کی طرح دین اللہ بھی محض اس بات پر مطمئن نہیں ہو سکتا کہ آپ بس اس کے حق ہونے کو مان لیں اور اپنے اس اعتقاد کی علامت کے طور پر محض رسمی پوجا پاٹ کر لیا کریں۔ کسی دوسرے دین کے ماتحت رہ کر آپ اس دین کی پیروی کر ہی نہیں سکتے۔ کسی دوسرے دین کی شرکت میں بھی اس کی پیروی ناممکن ہے۔ لہٰذا اگر آپ واقعی اس دین کو حق سمجھتے ہیں تو آپ کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ اس دین کو زمین میں قائم کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں اور یا تو اسے قائم کر کے چھوڑیں یا اسی کوشش میں جان دے دیں۔ یہی کسوٹی ہے جس پر آپ کے ایمان و اعتقاد کی صداقت پرکھی جا سکتی ہے۔ آپ کا اعتقاد سچّا ہو گا تو آپ کو کسی دوسرے دین کے اندر رہتے ہوئے آرام کی نیند تک نہ آ سکے گی۔ کجا کہ آپ اُس کی خدمت کریں اور اس خدمت کی روٹی مزے سے کھائیں اور آرام سے پاؤں پھیلا کر سوئیں۔ اس دین

کو حق مانتے ہوئے تو جو لمحہ بھی آپ پر کسی دوسرے دین کی ماتحتی میں گزرے گا اس طرح گزرے گا کہ بستر آپ کے لیے کانٹوں کا بستر ہوگا، کھانا زہر اور حنظل کا کھانا ہوگا اور دینِ حق کو قائم کرنے کی کوشش کیے بغیر آپ کو کسی کل چین نہ آسکے گا۔ لیکن اگر آپ کو دین اللہ کے سوا کسی دوسرے دین کے اندر رہنے میں چین آتا ہو اور آپ اس حالت پر راضی ہوں تو آپ مومن ہی نہیں ہیں، خواہ آپ کتنی ہی دل لگا لگا کر نمازیں پڑھیں، کتنے ہی لمبے لمبے مراقبے کریں کتنی ہی قرآن و حدیث کی شرح فرمائیں، اور کتنا ہی اسلام کا فلسفہ بگھاریں۔ یہ تو ان لوگوں کا معاملہ ہے جو دوسرے دین پر راضی ہوں۔ رہے وہ منافقین جو دوسرے دین کی وفادارانہ خدمت کرتے ہوں یا کسی اور دین (مثلاً دینِ جمہور) کو لانے کے لیے جہاد کرتے ہوں تو ان کے متعلق مَیں کیا کہوں؟ موت کچھ دُور نہیں ہے، وہ وقت جب آئے گا تو جو کچھ کمائی انہوں نے دنیا کی زندگی میں کی ہے خدا خود ہی ان کے سامنے رکھ دے گا۔ یہ لوگ اگر اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو سخت حماقت میں مبتلا ہیں۔ عقل ہوتی تو ان کی سمجھ میں خود آجاتا کہ ایک دین کو برحق بھی ماننا اور پھر اس کے خلاف کسی دوسرے دین کے قیام پر راضی ہونا، یا اس کے قیام میں حصّہ لینا یا اس کو قائم کرنے کی کوشش کرنا، بالکل ایک دوسرے کی ضد ہیں، آگ اور پانی جمع ہو سکتے ہیں، مگر ایمان باللہ کے ساتھ یہ عمل قطعاً جمع نہیں ہو سکتا۔

قرآن اس سلسلہ میں جو کچھ کہتا ہے وہ سب کا سب تو اس خطبہ میں کہاں نقل کیا جا سکتا ہے، مگر صرف چند آیتیں آپ کو سُناتا ہوں:

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ○ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ○ (العنکبوت: ۲، ۳)

”کیا لوگوں نے سمجھ رکھا ہے کہ وہ محض یہ کہہ کر کہ ”ہم ایمان لائے“ چھوڑ دیے جائیں گے اور ان کو آزمایا نہ جائے گا؟ حالانکہ ان سے پہلے جس نے بھی ایمان کا دعویٰ کیا ہے اس کو ہم نے آزمایا ہے، پس ضرور ہے کہ اللہ دیکھے کہ ایمان کے دعوے میں سچے کون ہیں اور جھوٹے کون۔“

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ فَاِذَآ اُوْذِيَ فِي اللّٰهِ جَعَلَ فِتْنَةَ النَّاسِ كَعَذَابِ اللّٰهِ ؕ وَلَئِنْ جَآءَ نَصْرٌ مِّنْ رَّبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّا كُنَّا مَعَكُمْ ؕ اَوَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِمَا فِيْ صُدُوْرِ الْعٰلَمِيْنَ ۝ وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ ۝

(العنکبوت: ۱۰-۱۱)

"اور لوگوں میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کہتا ہے کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، مگر جب اللہ کے رستے میں وہ ستایا گیا تو انسانوں کی سزا سے ایسا ڈرا جیسے اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے۔ حالانکہ اگر تیرے رب کی طرف سے فتح آ جائے تو وہی آ کر کہے گا کہ ہم تو تمہارے ہی ساتھی تھے۔ کیا اللہ جانتا نہیں ہے جو کچھ لوگوں کے دلوں میں ہے؟ مگر وہ ضرور دیکھ کر رہے گا کہ مومن کون ہے اور منافق کون۔"

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ (اٰل عمران: ۱۷۹)

"اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ مومنوں کو اسی طرح رہنے دے جس طرح وہ اب ہیں (کہ سچے اور جھوٹے مدعیان ایمان خلط ملط ہیں) وہ باز نہ رہے گا جب تک خبیث اور طیب کو چھانٹ کر الگ الگ نہ کر دے۔"

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ

(التوبة: ۱۶)

"کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم یونہی چھوڑ دیے جاؤ گے حالانکہ ابھی اللہ نے یہ نہیں دیکھا کہ تم میں سے کون ہیں جنہوں نے جہاد کیا اور کون ہیں جنہوں نے اللہ اور رسول اور مومنوں کو چھوڑ کر دوسروں سے اندرونی تعلق رکھا۔"

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ ... اُولٰٓئِكَ حِزْبُ الشَّيْطٰنِ ؕ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّيْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحَآدُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

أُولَئِكَ فِي الْأَذَلِّينَ ۝ كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي ۚ إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝ (المجادلة: ۱۴-۲۱)

"تو نے دیکھا نہیں ان لوگوں کو جو ساتھ دیتے ہیں اُس گروہ کا جس سے اللہ ناراض ہے؟ یہ لوگ نہ تمہارے ہی ہیں نہ انہی کے ہیں... یہ تو شیطان کی پارٹی کے لوگ ہیں اور خبردار رہو کہ شیطان کی پارٹی والے ہی نامراد رہنے والے ہیں۔ یقیناً جو لوگ اللہ اور رسول کا مقابلہ کرتے ہیں (یعنی دینِ حق کے قیام کے خلاف کام کرتے ہیں) وہ شکست کھانے والوں میں ہوں گے۔ اللہ کا فیصلہ ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے، یقیناً اللہ طاقت ور اور زبردست ہے۔"

مومن صادق کی پہچان ـــــ جہاد

اِن آیات سے یہ بات صاف معلوم ہوگئی کہ جب اللہ کے دین کے سوا کوئی اور دین زمین میں قائم ہو اور کوئی مسلمان اپنے آپ کو اس حالت میں مبتلا پائے تو اس کے مومنِ صادق ہونے کی پہچان یہ ہے کہ وہ اُس دینِ باطل کو مٹا کر اس کی جگہ دینِ حق قائم کرنے کی کوشش کرتا ہے یا نہیں۔ اگر کرتا ہے اور کوشش میں اپنا پورا زور صرف کر دیتا ہے، اپنی جان لڑا دیتا ہے اور ہر طرح کے نقصانات انگیز کیے جاتا ہے تو وہ سچا مومن ہے خواہ اس کی یہ کوششیں کامیاب ہوں یا ناکام۔ لیکن اگر وہ دینِ باطل کے غلبے پر راضی ہے یا اس کو غالب رکھنے میں خود حصہ لے رہا ہے تو وہ اپنے ایمان کے دعوے میں جھوٹا ہے۔

تبدیلی بغیر کش مکش کے ممکن نہیں

پھر ان آیات میں قرآن مجید نے ان لوگوں کو بھی جواب دے دیا ہے جو دینِ حق کو قائم کرنے کی مشکلات عذر کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ دینِ حق کو جب کبھی قائم کرنے کی کوشش کی جائے گی، کوئی نہ کوئی دینِ باطل قوت اور زور کے ساتھ قائم شدہ تو پہلے سے موجود ہوگا ہی۔ طاقت بھی اس کے پاس ہوگی، رزق کے خزانے بھی اُسی کے قبضے میں ہوں گے اور زندگی کے سارے میدان پر وہی مسلّط ہوگا۔ ایسے ایک قائم شدہ دین کی جگہ کسی دوسرے دین

کو قائم کرنے کا معاملہ بہ ہر حال پھولوں کی سیج تو نہیں ہوسکتا۔ آرام اور سہولت کے ساتھ، بیٹھے بیٹھے قدم چل کر یہ کام نہ کبھی ہوا ہے نہ ہوسکتا ہے۔ آپ چاہیں کہ جو کچھ فائدے دینِ باطل کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہوئے حاصل ہوتے ہیں یہ بھی ہاتھ سے نہ جائیں اور دینِ حق بھی قائم ہوجائے، تو یہ قطعاً محال ہے۔ یہ کام تو جب بھی ہوگا اسی طرح ہوگا کہ آپ اُن تمام حقوق کو، اُن تمام فائدوں کو، اور اُن تمام آسایشوں کو لات مارنے کے لیے تیار ہوجائیں جو دینِ باطل کے ماتحت آپ کو حاصل ہوں، اور جو نقصان بھی اس مجاہدے میں پہنچ سکتا ہے اس کو ہمت کے ساتھ انگیز کریں۔ جن لوگوں میں یہ کھکھیڑ اُٹھانے کی ہمت ہو، جہاد فی سبیل اللہ انہی کا کام ہے، اور ایسے لوگ ہمیشہ کم ہی ہوا کرتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو دینِ حق کی پیروی کرنا تو چاہتے ہیں مگر آرام کے ساتھ۔ تو ان کے لیے بڑھ بڑھ کر بولنا مناسب نہیں۔ ان کا کام تو یہی ہے کہ آرام سے بیٹھے اپنے نفس کی خدمت کرتے رہیں اور جب خدا کی راہ میں مصیبتیں اٹھانے والے آخر کار اپنی قربانیوں سے دینِ حق کو قائم کردیں تو وہ آ کر کہیں "اِنَّا کُنَّا مَعَکُمْ" یعنی ہم تو تمہاری ہی جماعت کے آدمی ہیں، لاؤ اب ہمارا حصہ دو۔